رجب المرجب 1435ھ

مئی 2014ء

ماہنامہ المرشد

اللہ رسول محمد

لَیْسَ یَتَحَسَّرُ اَھْلُ الْجَنَّةِ اِلاَّ عَلٰی سَاعَةٍ مَرَّتْ
بِھِمْ لَمْ یَذْکُرُوا اللّٰہَ تَعَالٰی فِیْھَا (ترمذی)

جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قلق وافسوس نہیں ہوگا۔ بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گزر گئی ہو۔

یہ صلوٰۃ جسے آج ہم بوجھ سمجھتے ہیں یہ وہ انعام ہے، وہ تحفہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج پر تشریف لے جانے پر اللہ کی طرف سے نصیب ہوا۔

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

Quba Masjid - The first mosque built in the history of Islam

تصوف

تصوف کیا ہے؟

اللہ کریم کی عظمت کو دل میں بسانے کا نام تصوف ہے۔ ایمان کی ابتداء بھی اللہ کی بڑائی قبول کرنے سے ہوتی ہے اور ایمان کی تکمیل بھی اسی میں پختگی سے ہوتی ہے۔ اللہ کریم نے اس کے لئے عبادات فرض کی ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ عبادت گذار کی عبادت اسے اپنی بڑائی میں گرفتار کر لیتی ہے۔ اس کا جواب قرآن حکیم میں سورۃ الحجر، (آیات، 40-41) میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب شیطان اپنے تکبر کے ہاتھوں مارا گیا تو اپنا قصور قبول کرنے کی بجائے اللہ پر الزام دھرنے لگا اور اس نے کہا کہ اے اللہ! جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی سارے انسانوں کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے کہ وہ میرے فریب میں نہ آئیں گے۔ اللہ کریم نے فرمایا، واقعی میرے مخلص بندوں پر تیرا بس نہ چل سکے گا۔

ثابت ہوا کہ کامیابی کا راز خلوص میں ہے۔ خلوص سے کی گئی عبادت بندے کے دل میں اللہ کی بڑائی اور اس کی عظمت بسا دیتی ہے۔ وہ دنیا میں اللہ کا بندہ بن کر اللہ کی رضا کے لئے کام کرتا ہے اور اللہ کے قرب میں چلا جاتا ہے۔

شیطان سارے انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے کیا حربے استعمال کرتا ہے۔ یہی کہ ان کی نیکیوں کو صرف نیکی کی شکل رہنے دیتا ہے اس میں سے نیکی کی روح یعنی خلوص کو نکال لیتا ہے۔ اسی لئے عبادت گذاروں کے دل میں اپنی پارسائی کا زعم ڈال دیتا ہے۔ بظاہر وہ عبادت کرتے ہیں اور اندر ہی اندر گھمنڈ بڑھتا رہتا ہے۔ سخی کو سخاوت سے نہیں روکتا، اس کے اندر غرور پیدا کر دیتا ہے کہ تو کتنا سخی ہے۔ عہدہ و اقتدار رکھنے والوں کے دلوں میں مالک ہونے کا ایسا احساس پیدا کر دیتا ہے کہ وہ ظلم پر اتر آتے ہیں۔ گناہگاروں کو گناہ سنوار کر دکھاتا ہے کہ وہ اس کی ہوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

تصوف دل میں توبہ کا جذبہ ابھارتا ہے۔ ہر مغرور شخص پر یہ حقیقت عیاں کر دیتا ہے کہ مالکِ حقیقی صرف اللہ ہے۔ بندہ اللہ کے سامنے عاجز اور محتاج ہے۔ یوں اللہ کے ولی کی صحبت سے بندہ اصلاح پذیر ہو جاتا ہے۔ یہی تصوف ہے۔

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مئی 2014ء، رجب المرجب 1435ھ

جلد نمبر 35 شمارہ نمبر 09

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
کلامِ شیخ	سیماب اویسی	5
اقوالِ شیخ	انتخاب	6
طریقہ ذکر		7
اسلامی تصوف و سلوک	حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ	8
بیان	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	15
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	23
اکرم التفاسیر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	27
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	37
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	41
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	42
سماجی حیلہ	رانا احمد نواز، گوجرہ	45
من الظلمات الی النور	عمر حیات گوندل، منڈی بہاؤالدین	48
Question s and Answers	Ameer Muhmmad Akram Awan MZ	54
A LIFE ETERNAL CH:20	Abul Ahmadain	56

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 36309053-042 ناشر عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
PH: 042-35180381 , Email: monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ: www.oursheikh.org
Ph: 0543-562200 , FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم **اسرار التنزیل** سے اقتباس

قَالَ یٰاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ ...... وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ (البقرة: 33-34)

پھر حکم ہوا کہ اے آدم (علیہ السلام)! ان کے سامنے ان اشیاء کے نام یعنی کیا چیزیں ہیں، کس مصرف کی ہیں، بیان فرمایئے! تو جب اُنہوں نے بیان فرمایا کہ انہیں تو یہ سب عطا ہوا تھا تو اللہ نے فرمایا دیکھا، میں نہ کہتا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کے پوشیدہ راز اور حکمتیں میں جانتا ہوں میرا علم کسی کے بیان کا محتاج نہیں میں تو وہ بھی جانتا ہوں جس کا تم اظہار کرتے ہو اور وہ بھی جس کا اظہار نہیں کیا جاتا یعنی میرا علم کسی کے بیان کا محتاج نہیں بلکہ جیسا ظاہر کو جانتا ہوں اسی طرح باطن سے بھی واقف ہوں۔

دیکھا میں نے کیسی مخلوق پیدا فرمائی جو علوم کی جامع ہے زمینی اور آسمانی بھیدوں سے واقف و آگاہ۔ تعمیر ظاہر و باطن کی عالم، اشیاء اور علم الاشیاء سے آگاہ۔ یہ ہے وہ ہستی جو میری معرفت کی استعداد رکھتی ہے۔ جس طرح زمین تمام سیاروں کا خلاصہ اور سب کی توجہات کا مرکز ہے۔ ایسے ہی یہ مخلوق ساری تخلیق کا خلاصہ، ان کی توجہ کا مرکز اور ان میں ممتاز مقام کی حامل ہے جو زمین پر میری نیابت و خلافت کی سزاوار ہے۔

پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم (علیہ السلام) کے لئے سجدہ کرو۔

ہماری شریعت میں سجدہ ایک شرعی اصطلاح ہے، آدمی باوضو ہو، قبلہ رُخ ہو، دونوں پاؤں، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ قبلہ رُخ زمین پر ہوں، ناک اور پیشانی زمین پر ہو تو یہ حالت سجدہ کہلاتی ہے اور یہ غیر اللہ کے لئے خواہ انسان ہو یا فرشتہ یا کوئی مخلوق قطعاً جائز نہیں۔ یہ صرف اور صرف اللہ کا حق ہے اور اس کا انسانوں پہ حق ہے وہی معبود و مسجود برحق ہے مگر اصطلاح لغت میں اس ادب و تعظیم کو غلام آقا کے لئے، خادم بادشاہ کے لئے بجالائے سجدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حکمران یا آقا، کو رب بمعنی "سردار" کہا جاتا تھا یہی حال اس اصطلاح کا بھی تھا۔ یہ تو شریعت اسلامیہ کا کمال ہے کہ ان افعال ہی کو سرے سے اُٹھا دیا جو موجب شرک ہو سکتے تھے پہلے یہ حال نہ تھا نیز وہ ابتداء تھی نوع انسانی کی زندگی کی۔ اب کائنات کی منتشر قوتوں کو یکجا کرنے یا انہیں مختلف کاموں پہ لگانا تنہا انسان کا کام نہ تھا بلکہ اس میں اس کو اُن ملائکہ کے تعاون کی ضرورت تھی جو ان امور پر مقرر ہیں بلکہ خود انسان اپنی ذات اور اپنے وجود میں ان فرشتوں کے تعاون کا محتاج ہے جو اس کے بدن کے مختلف حصوں کا کام برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

اللہ رسول محمد

اداریہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (الاعراف:43)

ترجمہ: شکر اللہ کا جس نے پہنچایا ہم کو اس (جنت) میں اور نہ تھے ہم راہ پانے والے اگر نہ ہدایت دیتا ہم کو اللہ۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو اہل جنت اللہ رب العزت کی رحمت سے جنت میں داخل ہونے کے بعد اللہ پاک کے حضور عرض کریں گے اور اس آیہ کریم کا اگلا حصہ اُس ذریعے کے ضمن میں شکر گزاری کا ہے جو رب کریم نے ہمیں انبیاء ورسل کی صورت میں عطا فرمایا۔ یہ اتنی بڑی عطا ہے کہ یہ وہ واحد ذریعہ ہے جس سے ہم بحثیت نائب، بحثیت انسان، بحثیت اشرف المخلوقات اپنی تخلیق کے مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں یہیں سے ذاتِ باری سے آشنائی، شرائط ایمان، عبادات، معاملات، زندگی، مابعد الذندگی یعنی ہر طرح کی رہنمائی میسر ہو سکتی ہے۔

انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں نظریہ اور عمل یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسانی زندگی دو اجزا کا مرکب ہے نظریہ اور عمل، اور یہ دونوں اس طرح لازم و ملزوم ہیں جیسے بیج اور درخت۔ اگر بیج اعلیٰ ہوگا تو درخت بھی بہترین ہوگا اور اس کا پھل بھی۔ اور اگر بیج کمزور ہوگا تو نتائج بھی کمزور ملیں گے۔ یہ فطرت کا قانون ہے۔ دین اسلام بھی فطری ہے اور فطرت کے قوانین کے مطابق ہے اس لئے قرآن کریم میں جہاں اٰمَنُوْا آتا ہے ساتھ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا ارشاد ملتا ہے۔ چونکہ اگر اعلیٰ بیج ہو اور اسے بویا نہ جائے تو اس اعلیٰ بیج سے نتائج کیا حاصل ہوں گے؟ یا اگر درخت اعلیٰ نہیں اور یقیناً پھل بھی اعلیٰ نہ ہوگا تو سمجھ آئے گی کہ اس کا بیج کمزور ہے بالکل اس طرح جب ہم اعمال میں کمزوری کرتے ہیں تو سمجھ آتی ہے کہ ہم مضبوط ایمان کے حامل نہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا ...... (آل عمران:164)

بعثت محمد رسول اللہ ﷺ جتنا بڑا احسان ہے اللہ پاک کا، اس سے دوری ہمارے لئے اتنا ہی نقصان ہے۔ یہ دوری ہی ہے کہ گزشتہ ماہ ہم نے قرار داد مقاصد پر تو خوب گفتگو کی مگر آج تک مقصد نہ پا سکے اور دوری ہی ہے کہ ہماری قوم کے بچے اپریل فول مناتے ہیں یہ جانے بغیر کہ کس دھوکے سے کتنے ہی مسلمانوں کو سمندر کی آغوش میں پہنچا دیا گیا۔

اور یہ دوری ہی ہے کہ وہ اسلامی نظام جو دو تہائی معلوم دنیا پر قائم رہا آج ہماری بحث وتمحیص میں بھی نہیں سما رہا۔

ایمان کا بیج قلب کی زمین میں بویا جاتا ہے۔ چونکہ ایمان ایک کیفیت ہے اور کیفیات کا مسکن قلب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے نہایت ہی اعلیٰ بیج (دین اسلام) تعلیم فرمایا ہے۔ اسی کی بوائی سے دنیا بھی سہل ہوگی اور آخرت بھی۔ وگرنہ حالات نہیں سدھر سکتے۔ اقوام عالم میں کافروں نے دین اسلام کے دنیاوی اصول اختیار کئے کیا دنیا میں ان کی ترقی کی مثالیں خود آپس کے بحث مباحثے میں نہیں دیتے۔

سلاسل تصوف تعلیمات محمد رسول اللہ ﷺ کے باطنی پہلو کو مخاطب کرتے ہیں۔ اور صوفیا کرام ذکر الٰہی کی ابتداء ہی قلب انسانی سے کرتے ہیں۔ ذکر اسم ذات سے قلب انسانی کو جلا ملتی ہے۔ وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ کے کرم سے کیفیات محمد رسول اللہ ﷺ سے اپنے نصیب کا حصہ پاتا ہے۔ قلب روحانی لطیفہ کا نام ہے لطیفہ قلب کا کرایا جانا اور لطیفہ قلب کا راسخ ہونا دو باتیں ہیں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے۔

''اللہ پاک مہربانی فرمائے تو راسخ قلب برزخ میں بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔'' عزیزان من یہ صدری علوم ہیں سینہ بہ سینہ چلتے ہیں۔ ضروری ہے کہ کامل شیخ دستیاب ہو۔''

(بقیہ صفحہ نمبر 47)

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

- گردِ سفر
- متاعِ فقیر
- آسِ جزیرہ
- کون سی ایسی بات ہوئی ہے
- نشانِ منزل
- سوچ سمندر
- دیدۂ تر

اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

''مگر حق یہ ہے کہ یہ سب محض میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں ۔ یہ اشعار کیسے ہیں، ان کا معیار کیا ہے، بلکہ یوں کہیے یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جتنا بھی سیکھا سب کچھ اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے ۔ اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضانِ نظر ہے ۔ اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے جو میں چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ آ سکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا''۔

فیضانِ نظر، متاعِ فقیر

غزل

ہم تو سو جائیں گے لیکن یاد رکھنا دوستو
تم ہماری یاد میں جاگا کرو گے رات بھر

عہدِ بے فکری میں بے شک آنکھ کھلتی ہی نہیں
لگ گئی جب آنکھ تو جاگا کرو گے رات بھر

بے مروت بن کے مت پوچھو یہ ہے کس کی گلی
پڑ گئی جب چوٹ تو جاگا کرو گے رات بھر

دل لگی سمجھے ہوا اپنے حال کو، سمجھا کرو
جب لگی دل کی تمہیں جاگا کرو گے رات بھر

بن پئے مدہوش ہیں جلتا ہے تن، بہتی ہے آنکھ
جانو گر اس کا سبب جاگا کرو گے رات بھر

آگ اشکوں میں بھی بہتی ہے، نہ پوچھو کس طرح
چھینٹ دامن پر پڑی جاگا کرو گے رات بھر

ان کو بھولے بھی نہیں ہیں، یاد کرتے بھی نہیں
گر پڑے اس فکر میں، جاگا کرو گے رات بھر

کون سی باتوں میں تم سیماب الجھے ہو کہیں
گر رہا یہ حال تو جاگا کرو گے رات بھر

"دیدۂ تر" سے اقتباس

اقوالِ شیخ

(1) فروعات بات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ فرقہ نہیں بناتیں۔

(2) اگر بندہ جانتا نہ ہو تو جواہرات کو بھی پتھر ہی سمجھتا ہے۔ جبکہ جاننے والا تو پتھروں سے بھی کوئی کام کا پتھر نکال لیتا ہے۔

(3) کسی بات کا انکار صرف بات تک نہیں رہتا بلکہ وہ کہنے والے کی ذات تک جاتا ہے۔

(4) جو دامن محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ہو گیا وہ جیت گیا، جس نے چھوڑ دیا وہ ہار گیا۔

(5) برائی کرو گے تو مصیبت آئے گی، توبہ کرو گے تو ٹل جائے گی۔

(6) اطاعت کرنا شکر ہے اور عدم اطاعت ناشکری ہے۔

(7) بعثت عالی کا ایک کمال یہ ہے کہ زندگی کے ہر کام کے کرنے کا سلیقہ سکھا دیا۔

(8) شیخ کی ذمہ داری اللہ سے تعلق جوڑنا ہے، جڑے گا انہی کا جن کا مقصد خالص ہوگا۔

(9) تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کریم سے ایسا تعلق استوار ہو جائے کہ بندہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے کا ڈر ہو۔

(10) اگر کوئی کشتی نوح ہے تو یہی ذکر اذکار اور تصوف کا شعبہ ہے جو بندے میں از خود یہ احساس پیدا کر دیتا ہے کہ بندے کے عقائد و اعمال میں اصلاح کی ضرورت ہے۔

(11) برائی کی تشہیر نہ کی جائے ورنہ لوگوں میں برائی کرنے کی جرأت پیدا ہوگی۔

(12) ربّ وہ ہے جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر وقت، ہر جگہ پوری کر رہا ہو۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہوجائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہوجائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

پہلا لطیفہ۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

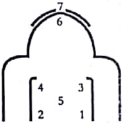

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح **تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ** کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جارہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

چھٹا لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہوجاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جاٹکرائے۔

حضرت العلام مولانا شیخ المکرم مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی تصوف و سلوک

قلزم فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب کا یہ مضمون جنوری 1984ء کے ''المرشد'' میں شائع ہوا۔ اس مضمون کی اگلی قسط باقی تھی کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اسی ماہ علیل ہوگئے اور 18 فروری 1984ء کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا اس لئے اگلی قسط نہیں لکھی جاسکی اب اس مضمون کو دوبارہ شائع کیا جارہا ہے

Oاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ Oبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِO

(1) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَ یُزَکِّیْهِمْ۔(البقرہ:129)

(2)هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔(جمعہ:2)

(3)لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

(آل عمران:164)

ترجمہ:(1) ''اے میرے رب ان میں، ان سے ہی رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات پڑھے، ان کو کتاب وحکمت (سنت) کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کا تزکیہ فرمائے۔''

(2) ''اللہ وہ ہے جس نے اَن پڑھوں میں اُن میں سے ہی رسول مبعوث فرمایا۔ جو ان پر اُس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ اُن کا تزکیہ نفس کرتا ہے ان کو کتاب وحکمت (سنت) کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ اس سے پہلے وہ ظاہر گمراہی میں تھے۔''

(3) ''محقق بات ہے کہ اللہ نے مومنوں پر احسان کیا ان میں ان کی جانوں سے رسول مبعوث فرمایا جو اللہ کی آیات ان پر پڑھتا ہے ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت (سنت) کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے ظاہر گمراہی میں مبتلا تھے۔''

رسول اکرم ﷺ کی تیئس سال کی تعلیم اور قرآنی تعلیم نے نسلی، وطنی، قومی، سُرخ وسفید کے فخر وغرور اور تکبر کے بتوں کو توڑ کر ریزہ ریزہ کردیا۔ نسلی، وطنی اور قومی امتیاز کے بُت چُور چُور ہوگئے۔ اسی وجہ سے قریش مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور کہا کرتے تھے۔

مذہب او قاطع ملک ونسب
از قریش و منکر از فضل عرب
احمراں با اسوداں آمیختند
آبروئے دور ماناں ریختند

اسلامی تعلیمات نے شرف انسانی کی حقیقت اس طرح واضح کی۔

برتر عشق از عالم ارحام نیست
اوزسام وحام وروم وشام نیست
کوکب وبے شرق وبے غرب و غروب
درحد اونے شمال ونے جنوب

عشق الٰہی کی حقیقت قومی ارحام ونسب پر موقوف نہیں کہ سام و حام کی نسل سے ہی متعلق ہو اور نہ وطنیت سے اس کا تعلق ہے، یہ ایک ایسا ستارہ ہے جو غروب ہونے والا نہیں۔ اس کا تعلق جنوب وشمال سے بھی نہیں، یعنی عشق الٰہی کا تعلق تو قلب سلیم سے ہے کسی خاص قوم، خاص وطن اور خاص رنگ ونسل سے نہیں۔ مولانا روم ؒ فرماتے ہیں:

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است
من نہ گنجم، ہیچ در بالا وپست
دردلِ مومن بگنجم ایں عجب
گر مرا خواہی ازاں دلہا طلب

اسلام نے خاندانی، نسلی، اور وطنی غرور و تفاخر کے بت توڑ کر عزت و شرافت، سیادت و قیادت، بزرگی و تقرب الی اللہ کا مدار تقویٰ و تزکیہ پر رکھا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

منقولہ بالا تینوں آیات میں تین ہی مقاصد و فرائض نبوت بیان ہوئے ہیں:

(1) قرأت کتاب اللہ و تلاوت۔

(2) تعلیم کتاب و حکمت

(3) تزکیہ نفس

میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تینوں مقاصد اپنی اپنی جگہ پر اہم اور اعلیٰ مقاصد نبوت میں شامل ہیں مگر پھر بھی پہلی آیت میں تزکیہ نفس کو مؤخر فرمایا گیا ہے اور باقی آیتوں میں بعد تلاوت کتاب، تزکیہ کو مقدم رکھا۔ فرمایا کہ بغیر قرأت و تلاوت آیات تو نبوت کا وجود ہی معلوم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کا تصور ہو سکتا ہے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ نبوت کا پہلا فریضہ ہے اسی وجہ سے ہر آیت میں اسے مقدم فرمایا گیا ہے۔ اور تزکیہ نفس کے متعلق فرمایا کہ نبوت کے مقاصد میں ابتداء سے انتہا تک، اہم سے اہم، اعلیٰ سے اعلیٰ عظیم الشان مقصد تزکیہ ہے۔ اس کے بغیر مقصدِ نبوت پورا ہی نہیں ہو سکتا۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا یہی تو مقصد ہے کہ اللہ کی مخلوق کو گمراہی کے گڑھے سے نکالیں اور اللہ تعالیٰ سے اُس کا تعلق جوڑ دیں۔ جو لوگ شیطان کے چنگل میں پھنس چکے ہیں، وہ راہِ حقیقت سے بھٹک گئے ہیں انہیں اُس سے چھڑا کر خدا رسیدہ بنائیں۔ اور یہ بغیر تزکیہ محال ہے۔

قرآن مجید کی آیات سے اشارہ ملتا ہے کہ تلاوت آیت بھی اپنی جگہ مقاصدِ نبوت میں سے ایک اہم مقصد ہے مگر اس کی حیثیت ایک لحاظ سے تعلیم کتاب وسنت کے مقدمہ، مبدا و مبادی یا تمہید اور خطبہ کی سی ہے اور جس مقصد اعلیٰ وارفع سے فرائضِ نبوت کی تکمیل وابستہ ہے وہ تزکیہ نفوس ہی ہے۔ اسی سے اس کے علو مرتبت اور شان کا اندازہ کر لیجئے۔ اب اس شعبہ کو جو وراثت نبوت کے طور پر اُمت مسلمہ میں موجود ہے، آپ تزکیہ نفس سے تعبیر فرمائیں یا اخلاص سے یا اسے بشاشۃ القوب کہیں جیسا کہ حدیث ہرقل میں موجود ہے یا احسان کا نام دیں حقیقت بہر حال ایک ہی ہے یا موجودہ دور کی اصطلاح میں اسے انسان سازی یا تعمیر سیرت کا نام دیں۔ اور جہاں یہ تربیت کی جاتی ہے اُسے انسان سازی کی فیکٹری کہیں یا خانقاہ و تربیت گاہ سے تعبیر کریں، یہ خانقاہیں اور مراقبہ خانے دراصل انسان سازی کے وہ کارخانے ہیں کہ جہاں اس فن کے ماہر مشائخ عظام وصوفیائے کرام آدمیوں کو انسان بناتے ہیں۔ انہوں نے یہ طریقہ عمریں صرف کر کے، مجاہدات کر کے اپنے مشائخ سے حاصل کیا اور ہر دور میں اس سے ہی یہ فریضہ تزکیہ نفس بہ نیابت فرائض نبوت ادا کرتے رہے ہیں۔ کیا اسے محض سنی سنائی پہ اعتماد کر کے اور معترضین و معاندین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بے فائدہ سمجھ لیا جائے اور چھوڑ دیا جائے تو خود اندازہ کر لیجئے کہ اس سے انسانیت کو اور اُمتِ مسلمہ کو کتنا بڑا نقصان برداشت کرنا ہوگا۔

عصرِ حاضر میں تو ان ماہرین فن انسان سازی کی ضرورت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ یہ ترقی کا دور ہے، ہر شعبہ میں ترقی ہو رہی ہے۔ کیا اس عہد میں انسان کو ترقی کی بجائے تنزل کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

انصاف اور عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان ماہرین فن انسان سازی کی تلاش کی جائے نہ کہ انکار کیا جائے تا کہ یہ گوہر مقصود ہاتھ آئے۔

رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ان تینوں شعبوں کی جامع تھی اور ان تینوں شعبوں تلاوت تعلیم، کتاب و حکمت اور تزکیہ کو بیک وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنبھالا ہوا تھا، خود مدینہ طیبہ میں "مدرسہ محمدیہ" کھولا ہوا تھا جس میں صحابہ کرامؓ کو تلاوتِ الفاظ قرآن اور قرأۃ بھی کراتے تھے۔ خود قاری تھے اور معانی و تفسیر قرآن بھی پڑھاتے تھے۔ خود مفسر تھے اور احکام قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ حدیث و شرح حدیث آپ ہی کے کلام بلاغت نظام کی صورت تھی۔ اُمت مسلمہ میں بعد میں مختلف اسماء وعناوین سے رائج ہونے والے جملہ علوم و فنون کے حقائق اُصول و مبادی، طرق استنباط اور تفقہ، تزکیہ و تربیت عملی کے بے مثال نمونے

سبھی کچھ حضور کریم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے بصورت تعلیم وفیضان نبوت ظاہر وہویدا تھا۔

نگارِ من کہ بہ مکتب نہ رفت وخط نہ نوشت
بیک نگہ سبق آموزِ صد مدرس شُد

آپ ﷺ نے قرآن کے قاری پیدا کئے، مفسر قرآن پیدا کئے۔ آپ ﷺ کی تعلیم سے متکلم، محدث اور فقیہ پیدا ہوئے۔ حضرت خالدؓ، ابوعبیدہؓ اور عکرمہؓ جیسے جرنیل پیدا ہوئے، امین اُمت ابوعبیدہؓ پیدا ہوئے، عادل خلفاء صدیقؓ، فاروقؓ، عثمانؓ، علیؓ، حسنؓ پیدا ہوئے۔ ایسے عادل روئے زمین پر چشم فلک نے نہیں دیکھے۔ یہ تھی ذات جامع کمالات سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور اُس کا فیضان۔

آپ ﷺ کے بعد یہ وراثت، نبوت آپ ﷺ کی اُمت کو ملی تو آپ ﷺ کی اُمت میں وہ مقدس ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے ان تینوں شعبوں کو بیک وقت سنبھال لیا اور وہ جامع امورِ ثلاثہ تھیں۔ اس کے بعد ہر شعبہ میں محدثین ومجتہدین پیدا ہوئے اور ہر شعبہ کی علیحدہ علیحدہ تدوین عمل میں آئی۔ امرِ سوم یعنی شعبہ تزکیۂ نفس جو وظائفِ نبوت اور فرائضِ نبوت کا نازک ترین شعبہ ہے اس کو صوفیاء کرام عارفین کی مقدس جماعت نے سنبھالا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قدوسی جماعت، صوفیہ عارفین کو امانت نبوت کا امین بنایا۔ عارفین کی اس جماعت نے تبلیغِ دین کی اس خدمت کو اپنے ذمہ لیا اور بہ نیابت نبوت اس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف ہوئی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو تزکیۂ نفوس کی نازک ذمہ داری سے ہر دور میں عہدہ برآ ہوئے۔ صوفیہ کرام نے تکمیل دین کے اس شعبہ کو سنبھالا اور مقاصد نبوت میں سے اس عظیم مقصد کو پورا کر دکھایا۔ اُمت مسلمہ کی گردنوں پر ان کے احسانات کا اتنا بوجھ ہے کہ وہ ان کا شکریہ کما حقہ، ادا نہیں کر سکتی۔ صوفیہ عارفین کی اس مقدس جماعت نے اس نازک وظیفۂ نبوت، اس امانت کے بوجھ کو اُٹھا کر دنیا اور اس کی دلچسپیوں سے الگ تھلگ تخلیہ میں نہایت خاموشی اور سکون کے ساتھ مخلوقِ خدا کی تربیت کی، ان کے باطن کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے اور پوری اُمت کو اس نازک امانت کی ادائیگی سے عہدہ برآ کیا فجزاھم اللہ عنا احسن الجزاء، شکر اللہ ساعیھم رحمھم اللہ علیھم رحمتہ واسعہ۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض عالم نما جاہلوں کی ایک بھیڑ اس حد تک غلو کرتی ہے کہ اس شعبہ کی اہمیت اور اس کے حاملین کی خدمات اور ضرورت ہی سے انکار کی روش اپنائے ہوئے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بس تبلیغ ہی کافی ہے۔ بھلا تبلیغ کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے مگر گزارش ہے کہ تبلیغ تو قرآن مجید کی آیت کے اس حصہ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ میں آجاتی ہے اور یہ ٹکڑا مقدمہ، مبدأ اور تمہید ہے۔ تعلیم قرآن وحدیث کی اور تعلیم قرآن وحدیث مبدأ وتمہید ہیں وَیُزَکِّیْھِمْ کی۔ یہ ٹھیک ہے کہ تبلیغ فی ذاتہ بہت بڑا کام ہے مگر تبلیغ تو رہنمائی کرتی ہے کسی دوسری چیز یا دوسرے حکم کی طرف، جیسا کوئی شخص راستہ دریافت کرتا ہے کہ مجھے فلاں شہر کا راستہ دکھا دیجئے، سو اُس نے راستہ دکھا دیا، رہبری کر دی مگر اس سے یہ ضروری نہیں کہ محض راستہ بتا دینے سے پوچھنے والا منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ ممکن ہے راستہ میں ہی کہیں بھٹک جائے۔ اسی طرح صرف تبلیغ ہی سے لازم نہیں آتا کہ ایصال الی المطلوب بھی ہو جائے۔ تبلیغ کسی چیز کی طرف لے جانے کا ذریعہ اور سبب ہے۔ جس چیز کی تبلیغ کی جاتی ہے اصل مقصود بالذات وہ چیز ہے نہ کہ نفس تبلیغ، جیسا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی تبلیغ وغیرہ وغیرہ۔ تبلیغ رہنمائی کرتی ہے خود کارخانہ انسان سازی کی طرف جو خانقاہیں یا تربیت وتزکیہ کے مرکز ہیں۔ تبلیغ وضو ہے نماز نہیں، جب تک تبلیغ اور اس کے مقاصد دونوں کو حاصل نہ کیا جائے کام نہیں بنتا۔ بعض حضرات صرف درس وتدریس کے شعبہ پر اکتفا فرماتے ہیں کہ یہی کافی ہے، یہ درست ہے درس وتدریس اپنی جگہ پر فی نفسہٖ بہت بڑا فریضہ اور وظیفۂ نبوت ہے لیکن اس کے باوجود تزکیہ کے لئے مبدأ ومقدمہ وتمہید ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔

تبلیغ ہو، درس وتدریس ہو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جس قدر اعمال منصوصہ ہیں ان سب کی غایت اصلاحِ باطن اور صفائے قلب ہے۔ مقصود یہ ہے کہ انسان کا باطن صاف اور منور ہو جائے۔ لہٰذا تمام اعمال ظاہر یہ تزکیہ باطن کے لئے تمہید ہوئے اور یہ کہنا کہ صرف قرآن وحدیث کے الفاظ پڑھ

لینے سے صفائی باطن اور تزکیہ نفس خود بخود ہو جاتا ہے، کسی شیخ کامل کی صحبت اختیار کرنا ضروری نہیں، بالکل غلط ہے۔ اگر صرف عربی پڑھ لینے اور عبارات کے مفہوم سمجھ لینے سے اصلاح ممکن ہوتی تو ابوجہل وابولہب وغیرہ جن کی مادری زبان عربی تھی، منشائے وحی ومنشائے تبلیغ رسول ﷺ تک پہنچ جاتے (خیر اسے تو چھوڑیئے، اُمت مسلمہ کے اکابر علماء کے حالات دیکھئے)

اگر صرف قرآن وحدیث پڑھنے سے ہی تزکیہ ہو جاتا تو امام رازیؒ جیسے متکلم، منطقی، اور مفسر جس پر علمی ریاست ختم ہوتی ہے اس کو کیا ضرورت تھی کہ اپنے شہر سے چل کر نیشاپور میں حضرت نجم الدین الکبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ان کے ہمراہ ایک ہزار طالب علم تھے۔

جاء الشیخ فخر الدین الرازی لطلب الطریق علی ید الشیخ نجم الدین الکبریٰ فی الف طالب یمشون ورائه من بلا والری فبلغ ذلک الشیخ نجم الدین فقال انه لایطیق الطریق فلما اسلم الرازی علی الشیخ فقال یا اخی ما اتدملک الی بلا رنا فقال جُبت لاطلب الطریق الی اللہ فقال له الشیخ لاتطیق ذلک فقال الشیخ لفخر الدین کیف تطلب الطریق الی اللہ مع حبک للریاسة علی الا قران وتکبرک علیهم فبکی الشیخ الرازی وقال قدخسرنا۔

''امام فخر الدین رازی شیخ نجم الدین الکبریٰؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک ہزار طالب علم اُن کے ہمراہ تھے جو امام رازیؒ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ یہ سب ان کے علاقہ کے تھے۔ جب نجم الدین الکبریٰؒ کو معلوم ہوا کہ رازی حصولِ سلوک کے لئے آرہا ہے تو فرمایا کہ وہ اس کے حصول کی قوت ہی نہیں رکھتا۔ جب رازی نے شیخ نجم الدینؒ کی خدمت میں السلام علیکم کہا تو شیخ نے فرمایا اے بھائی یہاں کیسے آنا ہوا۔ تو کہا کہ حصول تصوف کے لئے آیا ہوں۔ فرمایا شیخ نجم الدین نے کہ بھائی اس کی تو آپ میں قوت وطاقت ہی نہیں ہے آپ میں اپنے معاصرین علماء پر حسد اور تکبر وغرور ہے (اس کے ہوتے طریق تصوف کا حصول معلوم) شیخ رازی رو پڑا اور کہا کہ ہم خسارہ میں پڑ گئے۔''

علامہ شعرانیؒ نے الاجوبتہ امرضیتہ میں لکھا ہے کہ جب شیخ نجم الدینؒ نے امام رازی کے اصرار پر ان کو مراقبہ خانہ میں داخل کر کے متوجہ الی اللہ ہو کر رازی پر توجہ والقاء شروع کیا تو امام رازی تھوڑی دیر میں سمجھ گیا کہ اس کا ظاہری علم ان انوار میں مضمحل ہو گیا ہے انہیں خیال پیدا ہوا کہ یہ سلب ہو جائے گا تو فوراً باآواز بلند کہا:

''فلما شعر بذلک صاح یا علیٰ صوته لا اطیق فاخرجه من الخلوة۔''

''جب رازی نے معلوم کیا تو باآوازِ بلند فرمایا، میں اس علم کی طاقت نہیں رکھتا تو بس نجم الدین نے رازی کو مراقبہ خانہ سے نکال لیا۔''

آخر شیخ نجم الدین نے فرمایا کہ اے رازی آپ میرے احباب اور میرے حلقہ کے آدمی ہیں گو علم سلوک کی آپ میں قدرت نہیں اب آپ اپنے شہر کو لوٹ جائیں۔ یہ تھا امام فخر الدین رازی جو ایک ہزار طالب علموں کو پڑھاتا تھا۔ کس شان وشوکت سے شیخ نجم الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ جب فخر الدین رازی، شیخ نجم الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو تمام لوگوں کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی تھیں کہ کیا نجم الدینؒ ان کے سامنے اُٹھتا ہے یا کہ نہیں مگر ''ولم تحرک الشیخ نجم الدین من المکان'' شیخ نجم الدینؒ نے اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی۔ اور نجم الدین الکبریٰؒ وہ عظیم المرتبت شیخ ہے جن کے متعلق علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ جب ہلاکو نے بغداد پر حملہ کیا تھا تو تین دن تک بغداد میں نہ آیا اور کہتا تھا کہ اس شہر میں مجھے محمدی کبیر کی خوشبو آتی ہے اور نجم الدینؒ نے فرمایا اس کو کہو اندر آجاؤ۔ اول میری گردن ماری جائے گی پھر فلاں فلاں کی حتیٰ کہ اس کے ہاتھوں دو حصہ شہر کا ہلاک ہوگا پھر امن ہوگا اور فرمایا ''یہ قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔'' اور ایسا ہی ہوا۔

محدث شعرانیؒ نے اپنی کتاب طبقات الکبریٰ، (ج 1، ص 5) پر لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے امام رازی کو ایک رسالہ لکھ کر بھیجا تھا کہ اے رازی تیرا علم ناقص ہے اور لکھا کہ امام رازی وہ عالم ہے اور ان علماء میں سے ہے جن پر ریاست علمی جا کر ختم ہوتی ہے۔

والشیخ الرازی مذکور فی العلماء الذین انتهت

الیهم الریاسته فی الاطلاع علی العلوم.

"شیخ رازی جو کہ ان علماء میں مذکور ہے جن کی طرف ریاست اطلاع علی العلوم کی ختم ہوتی ہے۔"

اسی وجہ سے تو مولانا رومؒ نے مثنوی میں اقرار کیا ہے کہ:۔

مولوی ہرگز نہ شُد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزیؒ نہ شُد

مولانا رومؒ نے کیا صاف فرمایا کہ مولوی رومی اس وقت مولانا بنا جب شیخ تبریزیؒ کے جوتوں میں جا کر بیٹھا۔ مگر اس دور کے مولویوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ قرآن وحدیث کے نصوص پڑھ لئے جائیں تو اصلاح قلبی خود بخود ہو جاتی ہے، کسی اہل اللہ کے جوتوں کو اُٹھانے کی ضرورت نہیں نہ اُن کے جوتوں میں بیٹھنے کی۔

کیا حضرت مولانا محمد قاسمؒ بانی دارالعلوم دیوبند صاحب علم نہ تھے، وہ قرآن وحدیث نہ جانتے تھے؟ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ محدث نہ تھے، کیا حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ محقق اسلام عالم نہ تھے۔ ان کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی جوتیاں سیدھی کرنے اور اُن کے جوتوں میں بیٹھنے کی کیوں ضرورت پڑی، حالانکہ ظاہری علوم کی تحصیل میں حاجی امداد اللہؒ ان سے کم تھے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب امام رازیؒ جیسے عالم فاضل میں علم باطن یعنی سلوک وتصوف کے حاصل کرنے کی قوت نہ تھی اور انہوں نے شیخ کے فرمان کے مطابق صرف ظاہری بیعت پر اکتفا کیا اور اُن کے حلقہ سے انتساب ہوا۔ اور امام رازیؒ اسی پر خوش اور مطمئن ہوگئے تو یہ آپ کیوں ہر کس وناکس کو حلقۂ ذکر میں لے کر ذکر شروع کرا دیتے ہیں۔ کیا ان میں اس کے حاصل کرنے کی قوت ہوتی ہے؟

تو گذارش ہے کہ میرا اصل مقصد اصلاحِ خلق ہے اور تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ بغیر ذکرِ الٰہی کے اصلاحِ نفس مشکل ہے۔ اس طریق ذکر سے ان کی قدرے اصلاح ہو جاتی ہے۔ چونکہ اصلاحِ نفس اور تزکیۂ نفس دونوں کلی مشکک ہیں، ادنیٰ درجہ احسان اور اصلاح وتزکیہ کا حاصل ہو جائے تو نجات کی پوری اُمید ہو جاتی ہے۔ یہ تو بندہ کو بھی معلوم ہے کہ زمانہ حال میں یہ لوگ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور بایزید بسطامیؒ تو نہیں بنتے لیکن نمازی بن جاتے ہیں، تہجد گزار بن جاتے ہیں، کبائر سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ احکام الٰہی اور فرامین رسالت ﷺ کی عزت اور قدر ان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔

جنت میں جانے کا سبب بھی دو ہی چیزیں ہیں اور جہنم میں جانے کا سبب بھی دو ہی چیزیں ہیں۔ ذریعہ دخول جنت التعظیم لاحکام اللہ والشفقتہ علیٰ مخلوق اللہ۔ خدا کے احکام اور اوامر ونواہی کی دل میں تعظیم وعزت ہو اور خدا کی مخلوق کے لئے دل میں شفقت، تعظیم لاحکام اللہ یہ کہ احکام الٰہی کی پابندی کی جائے اور یہ ذکر الٰہی کی برکت سے نصیب ہو جاتی ہے اور خلقِ خدا پر سب سے بڑی شفقت یہ ہے کہ انہیں اُخروی عذاب سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ احکام خداوندی کا پابند بنایا جائے۔ الحمدللہ یہ دونوں چیزیں ان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سینکڑوں جبار، متکبر، اعلیٰ دنیوی مناصب پر فائز حضرات کو جب حلقہ ذکر میں داخل کیا گیا اور ان کی گردنوں میں ذکرِ الٰہی کی رسی ڈالی گئی تو اُن کی گردنیں بارگاہ الٰہی میں جھک گئیں، اطاعت رسول ﷺ کے سامنے موم بن گئے، بارگاہ ربوبیت میں سربسجود ہوئے، شراب خانوں کو لات ماری، بدکاری گئی، سگریٹ نوشی تمبا کو ختم، فلمیں تھیٹر کلب گھروں کو خیر باد کہا۔ ریشمی گدیلے ترک اور مسجد کی چٹائیوں پر جا کر لیٹے۔ سنت رسول ﷺ یعنی داڑھی کی پابندی نصیب ہوئی۔ یہی نہیں برکاتِ ذکر سے عقائد درست ہوئے، عبادات کی پابندی ہوئی، معاملات کی درستی اور حرام سے دُوری کی کوشش ہونے لگی۔

بعض لوگ جنہوں نے حلقہ ذکر میں شامل ہونے سے پہلے رشوت وغیرہ لی تھی اس کا حساب کر کے بعد دخول حلقہ ذکر، رقم رشوت واپس کی (یہ اب بھی زندہ موجود ہیں) یہ تمام برکاتِ ذکر الٰہی ہیں۔

حریفاں بادہ ہاخور دند ورفتند
تہی خمخانہ ہا کردند ورفتند

ہاں جسے منازل علیا کی ضرورت ہو تو اس کے لئے بھی بفضلہٖ تعالیٰ

دروازہ کھلا ہواہے اگراس کو برداشت کر کے ہمت نہ ہارے تو:

ہنوز آن ابرِ رحمت دُرفشاں است
خم وخمخانہ بامہر ونشاں است

اب ذرا حجتہ الاسلام امام غزالیؒ کا کچھ حال سنیئے "اگر علم، نقوش و الفاظ کے پڑھنے ہی کا نام ہوتا اور یقین کی دولت محض معلومات ہی سے حاصل ہوجاتی تو امام غزالیؒ اپنا وطن، اہل وعیال ومنال، جاہ ومنصب اور درس وتدریس کا مشغلہ ترک کر کے مجاہدہ وخلوت کی راہ اختیار نہ کرتے۔ آپ نے دس گیارہ سال جنگلوں میں تخلیہ اختیار کیا اور فرمایا کہ صوفیہ کا علم قیل وقال کا نام نہیں صوفیا کا علم ولائل سے حاصل نہیں ہوتا نہ درس وتدریس پر ہی اس کا مدار ہے، اپنی روحانی سرگذشت (خودنوشت) المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں۔

وعلمت یقینا انھم ارباب الاحوال لا اصحاب الا قوال وان مایمکن تحصیله بطریق العلم فقد حصل لی ولم یبق الا مالا سبیل الیه بالسماع والتعلم بل بالزوق والسلوک:

"میں نے یقیناً جان لیا کہ صوفیا کرام اصحابِ احوال ہیں نہ کہ اصحابِ اقوال اور وہ علم جس کا حاصل کرنا تعلیم وتعلم پر موقوف ہے وہ تو مجھے پہلے ہی حاصل تھا اب میں اس کو حاصل کرنا چاہتا تھا جس کی طرف تعلیم سے تعلم کا کوئی راستہ ہی نہ تھا۔ نہ سماع سے، نہ تعلیم سے بلکہ وہ وجدان وسلوک سے حاصل ہوتا ہے۔"

حضرت امام غزالیؒ المنقذ میں لکھتے ہیں کہ میں نے علوم ظاہر یہ تو حاصل کیے ہوئے تھے مگر ان سے حقیقت احکام سامنے نظر آتی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور اس کا مشاہدہ ہوجائے۔ جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وضو سے گناہ گرتے ہیں تو گرتے وقت نظر کیوں نہیں آتے۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میت کو جب قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو ملائکہ سوال جواب کرتے ہیں اس کے بعد اس کا ثواب یا عذاب شروع ہوجاتا ہے، فرشتے مارتے ہیں۔ یہ چیزیں ہمیں نظر کیوں نہیں آتیں۔ اور یہ اس وقت دکھائی دیتا ہے جب نورِ نبوت سے اقتباس کیا جائے۔ اور یہ نور ترتیب دلائل سے، تنظیم کلام صغریٰ کبریٰ سے حاصل نہیں ہوسکتا بغیر طریق صوفیہ کے حیاتِ دنیوی آخرت کے مقابلہ میں موت، ہے۔ جب زندہ ہوں گے تو کہا جائے گا۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق:22)

"پس کھول دیا ہم نے تمہاری آنکھوں سے پردہ بس آج کے دن تمہاری نظر بڑی تیز ہے۔"

اسی طرح صوفیہ کرام کے مقابلہ میں باقی مخلوق کی حالتِ نوم کی سمجھ لو یا موت کی۔

المختصر علم صرف تعلیم الفاظ ونقوش ہی کا نام نہیں ورنہ امام رازیؒ اور امام غزالیؒ سے بڑھ کر اس وقت کون عالم تھا۔ امام غزالیؒ اس کے لئے مارے مارے پھرے اور امام رازیؒ کو شیخ نے جواب دے دیا کہ اس علم کے حاصل کرنے کی آپ میں قوت نہیں اور نہ اس کی استعداد ہے۔ کیا علم ظاہری کی قوت واستعداد نہ تھی یا کسی دوسرے علم کی جس کے حصول کے لئے وہ ایک ہزار طالب علموں کے ہمراہ حضرت شیخ نجم الدین الکبریٰؒ کی خدمت میں گئے تھے۔ اگر صرف الفاظ ونقوش پڑھ لینا اور ان کے معانی سیکھ لینا ہی کافی ہوتا تو پھر يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ۔ ہی کافی تھا وَ يُزَكِّيْهِمْ کے صیغہ کے بڑھانے کی کیا حاجت تھی۔ جس شخص نے اس کوچہ میں گھوم پھر کر نہیں دیکھا بلکہ قدم بھی نہیں رکھا، نہ اس کی ہوا لگی، نہ اس پیالہ سے ذوق لیا، اُسے کیا حق حاصل ہے کہ اس کا انکار کرے۔ آیئے اس وادیٔ مقدس میں قدم رکھیں اور چکر لگائیں۔ گھوم پھر کر اس وادی کی سیر کریں، اس کے چمنوں کو دیکھیں۔ پھر دیکھیں کس طرح رحمت کی ندائیں آتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی مقدس میں قدم رکھا تو ندا آئی اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِي (طٰہٰ:14)

"محقق بات ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ کوئی معبود نہیں میرے سوا

پس میری ہی عبادت کیجئے گا۔"

اورفرمایا: اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی (طٰہٰ:12)

"میں ہی تمہارا رب ہوں، پس جوتے اتار دو تم وادی پاک (طویٰ) میں کھڑے ہو۔"

چونکہ ہمیشہ ہدایت کے چشمے جھونپڑیوں، کھنڈرات اور جنگلات سے ہی پھوٹتے ہیں۔ جنگلات، غاروں اور وادی سے ندائیں آتی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام وادی مقدس میں تھے کہ آواز آئی میں تمہارا رب ہوں۔ رسول اکرم ﷺ غار حرا میں تھے کہ آواز آئی اقراء اور حضرت مریم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جنگل میں پھر رہی تھیں کہ آواز آئی:

"فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّکِ تَحْتَکِ سَرِیًّا وَ هُزِّیْٓ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْکِ رُطَبًا جَنِیًّا (مریم: 24-25)

"مگر یہ آوازیں کب آتی ہیں۔ جب انسان کی یہ حالت ہو جیسا کہ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں:

ترا تا دہن باشد از حرص باز
نیاید بگوش دل از غیب راز

آیئے اس وادی کو طے کرنے والے ایک مردِ کامل کی مثال ملاحظہ کیجئے، اس دنیا کے سیاح سہروردی سلسلہ کے مجاز، مدرسہ نظامیہ بغداد کے فاضل استادِ کل، شیخ مصلح الدین سعدیؒ فرماتے ہیں کہ شہر فاریاب کے ایک بزرگ کے ہمراہ سفر شروع کیا تو شام کے وقت دریا کے کنارہ پر پہنچے۔ میرے پاس ایک درہم تھا کشتی والوں کو دیا اور کشتی میں سوار ہو گیا۔ وہ شیخ بزرگ دریا کے کنارے پر ہی رُک گیا کیونکہ اُن کے پاس کرایہ نہ تھا۔ مجھے اس کا سخت غم ہوا اور رفیقِ سفر کی جُدائی میں رونے لگا تو شیخ نے ہنس کر فرمایا اے سعدی غم نہ کر مجھے وہ ذات دریا کے پار لے جائے گی جو کشتی کو چلا رہی ہے۔

قضا را من و پیراز فاریاب
رسیدیم درخاک مغرب بآب
مرا یک درم بودم برداشتند
بکشتی و درپیش بگذاشتند
مرا گریہ آمد ز تیمار جفت
برآن گریہ قہقہہ زد وخندید وگفت
مخور غم برائے من اے پر خرد
مرا آنکس آرد کہ کشتی بُرد
بگسترد سجادہ بر روئے آب
خیال است پندا شتم یا بخواب
زند ہو شیم دید آن شب نخفت
نگاہ بامداد اوبمن کرد وگفت
عجب ماندی اے یار فرخندہ رائے
ترا کشتی آورد مارا خدا
مرا اہل صورت بدین نگروند
کہ ابدال در آب وآتش روند
چوں طفلی ندارد از آتش خبر
نگاہدارد ش مادرِ مہر ور
پس آنانکہ دروجد مستغرق اند
چنیں داں کہ منظورِ عین حق اند
نگاہ دارد از تاب آتشِ خلیل
چوں تابوت موسیٰ ز غرقاب نیل
توبرروئے دریا قدم چوں زنی
چوں مرداں کہ برخشک تردامنی

☆☆☆☆

13 ستمبر 2013ء

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

واقعہ معراج، بنی اسرائیل اور ہم

ماہ رجب میں سب سے اہم واقعہ نبی کریم ﷺ کا سفر معراج شریف ہے اسی واقعہ سے سورۃ بنی اسرائیل شروع ہوتی ہے۔ اسی لئے اس سورۃ کو اسرا بھی کہتے ہیں۔ حضرت شیخ المکرم نے اس کی عمدہ تفسیر فرمائی ہے جو پیش خدمت ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (1)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) کو رات میں سیر کرائی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ وہ مسجد اقصیٰ جس کے گرداگرد ہم نے بہت برکتیں رکھی ہیں تاکہ آپ ﷺ کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی اللہ سننے والا ہے دیکھنے والا۔

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

واقعہ معراج شریف ہجرت سے کم و بیش تین سال پہلے نبوت کے دسویں سال پیش آیا۔ مختصراً واقعہ یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جبکہ آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے رات کو جبرائیل امین نے اٹھایا اور جنت کی سواری ساتھ لائے جسے براق کہتے ہیں۔ حضور ﷺ بیت اللہ شریف تشریف لے گئے اور وہاں سے براق پہ بیٹھ کر بیت المقدس تشریف لے گئے، اس سفر کو اسراء اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ سفر شب بھر کا تھا راتوں رات کا سارا سفر تھا، اور رات کے سفر کو اسراء کہتے ہیں۔ بیت المقدس میں حضور اکرم ﷺ نے دو رکعت ادا فرمائیں۔ تمام انبیاء کرام کو وہاں لایا گیا اور تمام انبیاء نے آپ ﷺ کی امامت میں دو رکعت ادا فرمائیں پھر آپ ﷺ کو وہاں سے آسمانوں پر، آخری آسمان تک سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے آگے جہاں تک اللہ کریم نے چاہا وہاں تک لے گئے۔ آپ ﷺ نے برزخ کے حالات مشاہدہ فرمائے، بنفس نفیس جنت کا مشاہدہ فرمایا، دوزخ کو دیکھا، آخرت کے حالات اپنی آنکھوں دیکھے۔ اللہ کریم جن منازل پر آپ کو لے گئے وہ اللہ جانے اور اللہ کا حبیب ﷺ۔

اس میں بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ معراج روحانی تھا اور روح اقدس نے یہ سب دیکھا۔ روحانی واقعات اور معجزات تو آپ ﷺ کی زندگی میں بے شمار ہوئے ہیں آپ ﷺ کی سیرت پاک ان واقعات سے بھری پڑی ہے، لیکن واقعہ معراج کے تذکرے کی ابتداء ہی اس بات سے ہوئی، سُبْحٰنَ الَّذِیْ کہ اللہ قادر ہے، وہ ہر کمزوری سے پاک ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس زمانے میں شب بھر میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس پہنچنا اور واپس آ جانا ناممکنات میں سے تھا۔ کہ وہاں تک آنے جانے کا سفر مہینوں میں ہوتا تھا۔ وہ زمانہ کسی موٹر، ریل گاڑی، جہاز وغیرہ کا نہیں تھا۔ گھوڑے، اونٹوں پر سواری ہوتی تھی تو یہی بہت عجیب وغریب بات تھی۔ جبکہ اللہ کریم حضور ﷺ کو بیت المقدس سے بالائے آسمان اور اس سے آگے جہاں تک اللہ نے چاہا لے گئے تو جو اس سفر معراج کو روحانی سفر کہتے ہیں انہیں سوچنا چاہے کہ اللہ کریم نے فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) کو رات میں سیر کرائی لفظ بِعَبْدِهٖ وضاحت کر رہا ہے کہ بندہ صرف روح کو نہیں کہتے نہ صرف جسم کو بندہ کہتے ہیں۔ روح مع الجسد کو بندہ کہتے ہیں۔ جسم میں جان باقی ہو تو بندہ کہلاتا ہے۔ دوسری بات یہاں یہ فرمائی کہ سب سے بلند ترین مقام

اللہ کا بندہ ہونا ہے۔ اللہ کی ذات وصفات میں شریک ہونا نہیں۔ حضور ﷺ اپنے جسم مبارک سمیت زندگی کی حالت میں بیت اللہ سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے آگے جہاں تک اللہ نے چاہا آپ ﷺ اپنے وجودِ عالی سمیت تشریف لے گئے! یہ نبی کریم ﷺ کا یکتا وعجیب وغریب معجزہ ہے۔ ہر نبیؑ سے اللہ کا تعلق اس درجے کا رہا کہ ہر نبیؑ پر وحی آتی تھی لیکن زمینوں پر آتی رہی۔ انبیاءؑ کو اللہ کریم سے شرفِ ہم کلامی بھی نصیب ہوا وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (النساء:164) جیسے موسیٰؑ کلیم اللہ تھے لیکن زمین پہ ہی بات ہوتی رہی۔ بے شمار معجزات انبیاءؑ کو عطا فرمائے گئے انبیاء کے سفر کی کوئی بات نہیں کر سکتا اس لئے کہ غیر نبی، نبیؑ کے سفر کو جان ہی نہیں سکتا لیکن حضور ﷺ کے علاوہ اور کوئی ہستی ان بلندیوں پر تشریف نہیں لے گئی جن پر حضور ﷺ جسم عنصری سمیت تشریف لے گئے۔ اور یہ بھی فرمایا: بِعَبْدِهٖ ان ساری بلندیوں کے باوجود حضور اکرم ﷺ اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ کی ذات وصفات میں شریک نہیں ہیں۔ مخلوق، مخلوق ہے، خالق، خالق ہے وہ واحد ہے، لاشریک ہے۔ کوئی اس کی مثال نہ ذات میں بن سکتا ہے نہ صفات میں بن سکتا ہے۔ اس سفر کی روائیداد سن کر عیسائیوں کی طرح حضور ﷺ سے الوہیت کی نسبت نہ کی جائے۔ اس لئے فرمایا :بِعَبْدِهٖ اس عبد میں دونوں باتیں آ گئیں۔ ایک تو یہ کہ سفر روح مع الجسد، آپ ﷺ کو جسم اطہر کے ساتھ معراج ہوا۔ اگر کسی مسلمان کو حضور ﷺ کی برکات نصیب ہوں تو اس کی روح تو بالائے آسمان بھی جاتی ہے، اس سے آگے عرشِ عظیم پر بھی جاتی ہے اور تو عرش بھی طے کرتی ہے۔ عالم امر میں بھی جاتی ہے۔ اسی کو سیر سلوک، اسی کو سلوک یا تصوف کہتے ہیں اور انہی کو منازلِ سلوک کہا جاتا ہے۔

لیکن جسد اطہر کے ساتھ جانا اور جسم عالی کی وہ لطافت! اس کا مطلب ہے حضور اکرم ﷺ کے جسم اطہر میں وہ لطافت تھی جو ہر کس وناکس کی روح کو بھی نصیب نہیں ہوتی۔

آپ ﷺ مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے۔ فرمایا: بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ مسجد اقصیٰ، بیت المقدس اس جگہ ہے جس کے ماحول کو یعنی اردگرد کو ہم نے برکتوں سے بھر دیا ہے۔ ظاہری برکات بھی وہاں بے شمار ہیں۔ سرسبز وشاداب علاقہ ہے۔ ہر موسم کے پھل ہر طرف وافر دستیاب ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ کی نعمتوں کی فراوانی ہے اور یہ مقام بہت سے انبیاءؑ کی آرام گاہ بھی ہے۔ یہ تجلیات باری کا ماخذ بھی ہے اور بہت سی قوموں کا قبلہ بھی رہا ہے۔ تو ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی بے پناہ برکات کا مجموعہ ہے۔ اور فرمایا صرف بیت المقدس تک کا سفر ہی مقصد نہیں تھا بلکہ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ہم چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں، بیت المقدس سے بالائے آسمان تک، بالائے آسمان سے عرش عظیم تک، پھر آگے برزخ کے بے شمار احوال کا ملاحظہ فرمایا، جنت ودوزخ کو دیکھا جس کا بیان حضور ﷺ کی احادیث مبارک میں موجود ہے۔

یوں تو مختلف انبیائے کرام ﷺ نے زندگی اور موت کے بارے اللہ کریم کی بارگاہ میں سوال عرض کئے اور جواباً مشاہدہ فرمایا جیسے حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى آپ مردوں کو کیسے زندہ فرمائیں گے؟ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ پوچھا گیا کیا آپ کو یقین نہیں، عرض کیا قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ یقین ہے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ہوگا کیسے! فرمایا، چار پرندے لیں انہیں اپنے ساتھ ہلالیں (مانوس کرلیں) پھر جب وہ آپ سے ہل جائیں (مانوس ہو جائیں)، تو انہیں ذبح کرکے ان کا گوشت ہڈیاں کچل کر ملالیں اور چار پہاڑوں پر پھینک دیں اور پھر ایک ایک کو بلائیں دیکھیں وہ آپ کے پاس دوڑے آئیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ کوئی ذرہ کہیں سے، کوئی ذرہ کہیں سے اڑ کر آ رہا ہے، جسم بن رہا ہے، زندہ ہو رہے ہیں۔

حضرت عزیرؑ نے شہر کو برباد دیکھ کر سوال کیا اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا (البقرہ:259) اللہ ان مردوں کو پتہ نہیں کیسے زندہ کرے گا، زندہ تو کرے گا۔ لیکن کیسے کرے گا یہ سمجھ نہیں آتی۔ تو آپؑ کو اللہ نے سو سال کے لئے سلا دیا اور جب اٹھے تو فرمایا اب دیکھیں آپ کا جو کھانا اور آپ کے پاس جو مشروب تھا وہ ویسے کا ویسا تازہ رکھا ہے آپ

کی سواری کا گدھا تھا، دیکھیں اسے مٹی کھا گئی۔ اب دیکھیں وہ کیسے زندہ ہوتا ہے۔ آپؑ نے دیکھا کہ ایک ایک ذرہ جڑ کر پھر سلامت ہو کر زندہ ہو گیا لیکن یہ سارے مشاہدات سارے واقعات زمین پر ہی وقوع پذیر ہوئے۔ یہ خصوصیت صرف حضور ﷺ کی ذات عالی صفات کی ہے کہ بنفس نفیس تشریف لے جا کر برزخ میں بھی، بالائے آسمان بھی جنت دوزخ کا ملاحظہ فرمایا اور اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ جہاں تک کلام باری کا تعلق ہے تو اس میں کسی کو شبہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ اللہ کے کلام سے مشرف ہوئے اور امت کے لئے پچاس نمازوں کا تحفہ عطا ہوا۔ ہم پر جو نمازیں فرض ہیں یہ معراج شریف پر حضور ﷺ کی تشریف لے جانے کی خوشی میں امت کو تحفہ عطا ہوا کہ دن میں پچاس مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری دے سکیں۔ اس کے بارے ایک طویل حدیث ہے کہ کس طرح کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں اور ارشاد ہوا یہ ادا تو پانچ کریں گے، ثواب پچاس کا ہی ملے گا، اجر پچاس کا ہی پائیں گے۔ یہ صلوٰۃ جسے آج ہم بوجھ سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت جسے بھولے ہوئے ہے، یہ وہ انعام ہے، وہ تحفہ ہے جو حضور ﷺ کو معراج پر تشریف لے جانے پر اللہ کی طرف سے نصیب ہوا کہ آپ کی ساری امت روزانہ دن میں پانچ بار میری بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی گزارشات پیش کر سکتی ہے، میری نوازشات بھی حاصل کر سکتی ہے۔ انسان چونکہ مادیت میں الجھ جاتا ہے ضلع کا ڈپٹی کمشنر بھی کہہ دے کہ تم صبح شام میں پانچ مرتبہ میرے پاس آسکتے ہو تو بھاگا بھاگا جاتا ہے۔ اس چیز کا احساس وادراک نہیں ہے کہ بارگاہ الوہیت میں حاضری کا مقام اور مرتبہ کیا ہے! اسی لیے یہ ہمیں بوجھ لگنے لگ گیا ہے۔ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا یعنی ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے برزخ اور آخرت کے حالات اور بالائے عرش کی چیزیں ان پر وا کر دیں اور آپ ﷺ نے اپنی دنیوی بصارت سے اسی جسم اطہر کے ساتھ سب ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ کریم سے شرف ہم کلامی نصیب ہوا جہاں تک زیارت باری کا تعلق ہے تو اس میں علماء کی دو رائے ہیں۔ ایک طبقے کا خیال یہ ہے کہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کی زیارت ممکن نہیں ہے۔

موسیٰؑ نے عرض کیا تھا۔ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ اے اللہ مجھے اپنا جمال دکھا میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں تو فرمایا گیا آپ دیکھ نہیں سکتے قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ (الاعراف:143) فرمایا تم مجھے دیکھ نہیں سکتے۔ دنیا کی مادی آنکھوں میں وہ قدرت نہیں ہے کہ جمال باری کو دیکھ سکیں۔ آخرت میں، میدان حشر میں، حساب کتاب کے وقت بھی اللہ کے مقرب بندوں کو اللہ کا دیدار نصیب ہوگا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اللہ کو سامنے دیکھیں گے۔ آپ ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ جس طرح تم چاند کو دیکھتے ہو اسی طرح دیکھو گے جنت میں ہر اہل جنت کو اپنے اپنے درجے کے مطابق دیدار باری نصیب ہوگا۔ یہ دلائل اس طبقے کے ہیں جو دنیوی وجود کے ساتھ دیدار باری کے قائل نہیں لیکن جو لوگ قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ دیدار باری کے وقت حضور ﷺ اس دارِ دنیا میں اور اس زمین پر نہیں تھے۔ آپ ﷺ بالائے آسمان اور قرب الٰہی کے ان منازل میں تشریف لے گئے جو عرش عظیم سے بھی بالاتر ہیں لہٰذا وہاں دنیا کے احکام لاگو نہیں ہوتے وہ عالم بالا ہے اور وہاں دیدار ہونا کوئی محال نہیں ہے۔ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (1) یقیناً اللہ کریم ایسے ہیں کہ سب کچھ سنتے بھی ہیں دیکھتے بھی ہیں۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سے شروع کیا کہ اللہ پاک ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی کمزوری، کوئی رکاوٹ اس کی راہ میں نہیں، وہ ہر چیز پہ قادر ہے اپنے حبیب ﷺ کو سفر کرایا، وہ قادر ہے، بالائے عرش لے گیا، وہ قادر ہے، آخرت دکھائی، وہ قادر ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔ آج تو مادی سائنس نے گاڑیاں، جہاز، راکٹ بنا کر مادی دنیا میں حیرت انگیز کرشمے کر دیے ہیں، یہاں تو قدرت باری کی بات ہے۔ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہاری ہر حرکت، ہر سکون، ہر نظریہ، ہر عقیدہ، ہر خیال، ہر ارادہ اللہ دیکھ رہا ہے، اللہ ہر عمل دیکھ رہا ہے اور ہر بات سن رہا ہے۔ فرمایا: وَ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ اسی طرح ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا فرمائی۔ یہ انبیاء کی عظمت ہے کہ انہیں براہ راست اللہ کریم سے احکام نصیب ہوتے ہیں، یہ صرف انبیاءؑ کا مقام ہے کہ جو وحی اللہ کی

طرف سے آتی ہے وہ اسے سنتے بھی ہیں سمجھتے بھی ہیں دوسروں کو بتاتے بھی ہیں۔ غیر نبی وحی نہیں سن سکتا نہ سمجھ سکتا ہے۔ فرمایا: ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا سبب بنادیا۔ ہر کتاب اپنے زمانے میں تمام امور کے لئے بہترین رہنمائی کرتی رہی۔ سب سے آخر میں قرآن کریم نازل ہوا۔ قرآن کریم کا زمانہ اپنے نزول سے لے کر قیام قیامت تک کے لئے ہے۔ اب قیامت تک کے لئے یہی کافی ہے، کوئی نئی کتاب نہیں آئے گی۔ اس لئے نزولِ قرآن سے لے کر قیام قیامت تک ہر شعبۂ زندگی میں قرآنِ کریم پر عمل ہوگا۔ قرآن کریم کا یہ معجزہ ہے کہ ہر عمل میں رہنمائی فرماتا ہے۔ بنی اسرائیل کے لئے تورات رہنمائی کا سبب تھی۔ ہر آسمانی کتاب میں ہدایت کی بنیاد صرف اسی ایک نکتہ پر مرکوز ہے۔ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا (2) کہ میرے بغیر کسی دوسرے کو اپنا کارساز مت سمجھو۔ ساری کتاب کا خلاصہ اور بنیادی بات ارشاد فرمادی کہ ہدایت پر وہ شخص رہے گا جو اپنی تمام اُمیدوں کا مرکز واحد ولاشریک ہستی اللہ کو سمجھے گا تو پھر وہ اللہ کی اطاعت بھی کرے گا۔ اگر اس کی اُمیدیں کسی اور سے وابستہ ہوں گی تو پھر اطاعت بھی اسی کی کرے گا یہ انسانی مزاج ہے کہ جس سے اسے نفع کی اُمید ہوگی اس کی بات سنے گا جس سے اسے یہ خطرہ ہوگا کہ اس کی بات نہ مانی تو یہ میرا نقصان کردے گا تو اس کی بات بھی سنے گا، اگر نفع ونقصان غیروں سے وابستہ کرلے تو پھر غیر اللہ کی اطاعت کرے گا اللہ کی اطاعت نہیں کرے گا۔ لہٰذا کتابوں کا بنیادی فلسفہ یہ ہے فرمایا: اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا(2) میرے علاوہ کسی کو کارساز مت سمجھو، یہ سفر معراج ہی دیکھ لو اللہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ کیسے کرتا ہے اپنے بندوں کو کون کون سے مرتبے اور کون کون سے منازل عطا کرتا ہے، یہ اس کی مرضی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے معجزات بطورِ کرامت آپ ﷺ کی امت کے اولیاء اللہ میں منتقل ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ جسد اطہر کے ساتھ جن منازل پہ تشریف لے گئے۔ اولیائے امت روحانی طور پر بالائے آسمان حاضری دے سکتے ہیں جس کو جہاں تک رسائی نصیب ہوتی ہے وہ نسبت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ اس میں بہت سی تفصیلات ہیں کہ حصول برکات کے لئے کوئی شیخ کامل چاہئے۔ سالک کو اخلاص نیت سے مجاہدہ کرنا چاہیے، برکات کتنی نصیب ہوں، یہ اللہ کی عطا ہے۔ کتنا عقیدہ صحیح ہو، کتنا مجاہدہ درست ہو، ایسی بہت سی باتیں اس کی تفصیلات میں شامل ہیں۔

سفر معراج میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تشریف لے جانے کا جو واقعہ ہے یہ بھی بطور کرامت اولیائے امت میں پایا گیا ہے۔ اصطلاح میں اس کو طئی الارض کہتے ہیں کہ زمین کو طے کرلینا، لپیٹ لینا۔ اولیاء اللہ میں کئی ایسے لوگ پائے گئے کہ جنھوں نے ہزاروں میل کا سفر ایک لمحے میں طے کیا۔ ایک لمحے میں یہاں ہوتے دوسرے لمحے میں کہیں اور پائے جاتے، اسے طئی الارض کہتے ہیں یعنی زمین کو لپیٹ لینا۔ یہ بھی اولیاء اللہ کی کرامات میں اور اولیاء اللہ کے تذکرہ میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔

فرمایا بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا فرمائی اور اس کی بنیاد یہ تھی کہ میرے بغیر کسی دوسرے کو کارساز نہ سمجھا جائے ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (3) یہ وہ لوگ ہیں جو نوحؑ کے ساتھ جن لوگوں کو ہم نے طوفان سے محفوظ رکھا اور کشتی نوحؑ میں بچالیے گئے تھے یہ ان کی اولاد ہیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ کشتی میں سوار تمام لوگوں میں سے کسی سے اولاد نہیں ہوئی۔ نوحؑ کے جو بیٹے کشتی میں سوار تھے صرف ان سے نسل انسانی آگے چلی۔ اس لئے ان کے بیٹوں کی وساطت سے سارے لوگ نوحؑ کی اولاد ہیں، تو ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ طوفان نوحؑ کا واقعہ زیادہ پرانا نہیں۔ یہ لوگ خود ان لوگوں کی اولاد ہیں جنہیں ہم نے اس طوفان سے بچالیا تھا۔ جس میں پوری دنیا غرق ہوگئی تھی اور کفار کا نام ونشان باقی نہ رہا تھا۔ ان کے حالات سے وہ آگاہ ہیں تاریخ ان کے پاس ہے۔ ان کے قصے عام ہیں لہٰذا ان لوگوں کو شکر کرنا چاہئے کہ کس طرح ان کے آباء کو کشتی میں سوار کرا کے بچالیا گیا۔ اس میں بھی بہت سی آراء ہیں کہ کیا طوفان نوحؑ

ساری دنیا پر آیا تھا یا کچھ علاقے پہ آیا تھا لیکن اس بات میں کوئی ابہام نہیں کہ جہاں تک انسانی آبادیاں تھیں وہ ساری غرق ہو گئیں۔ اس وقت انسانی آبادیاں ساری دنیا میں تھیں یا نہیں تھیں یہ تو اللہ ہی جانے کیونکہ انسانیت اتنی نہیں پھیلی تھی کہ پورے کرۂ ارض پہ پھیل جائے لیکن جہاں تک انسانی آبادیاں تھیں کوئی انسان نہیں بچا تھا سوائے ان کے جو کشتی میں سوار ہو گئے تھے تو فرمایا ان لوگوں کو تو شکر کرنا چاہئے۔ کہ کس طرح ان کے آباء جب پوری دنیا غرق ہو گئی، ساری آبادیاں تباہ ہو گئیں ہم نے کشتی میں سوار کر کے بچا لیا اور یہ ان کی اولاد ہیں اور نوحؑ تو اللہ کے بہت ہی شکر گزار بندے تھے۔ وہ اللہ کے شکر ادا کرنے والے بندے تھے۔ مقام غور ہے کہ یہاں بھی لفظ عَبْد استعمال ہوا ہے انبیاءؑ کے لئے بھی۔ اور الوالعزم رسولوںؑ کے لئے بھی۔ سب سے اعلیٰ لفظ جو استعمال ہوا ہے وہ عَبْد ہے۔ اللہ اللہ ہے اور بندے بندے ہیں اور اللہ کا بندہ ہونا بڑی بات ہے۔ مخلوق تو ساری اللہ کی ہے لیکن جسے اللہ اپنا بندہ فرماتا ہے اس کا منصب کچھ اور ہوتا ہے بندے تو سارے اللہ کے ہیں، پیدا اس نے کیا ہے، مخلوق اسی کی ہے لیکن اپنا بندہ کہنا یا میرا بندہ کہنا اور بات ہے

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر

اللہ کا بندہ ہونا ایک اور بات ہے جتنا بھی قرب کسی ولی کو، کسی صحابیؓ کو، کسی نبیؑ کو نصیب ہوتا ہے تو سب سے اعلیٰ مقام بندگی کا ہی ہے۔ کوئی نبیؑ اللہ کی ذات یا صفات میں شریک نہیں۔ یہاں تو ہم اہل قبور کو مشکل کشا سمجھے ہوئے ہیں۔ جن کا ہمیں پتہ نہیں ہے کہ کس زمانے کی قبور ہیں، کس کی ہیں، بندہ نیک تھا، بدکردار تھا، کیا تھا کیا نہیں تھا، مسلمان بھی تھا یا نہیں۔ یہ علم ہی نہیں ہے کہ قبر کس کی ہے انہیں ہم مشکل کشا سمجھے ہوئے ہیں، حاجت روا سمجھے ہوئے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اللہ کا بہت کوئی مقرب بھی ہے تو اللہ کا بندہ ہے۔

وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا (4) ہم نے یہ بات بنی اسرائیل کو بتادی تھی، دعوت دی تھی، کتاب بھیج کر بندگی کی ہدایت کر دی تھی کہ اللہ کے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھنا لیکن اللہ عالم الغیب ہے اس نے فرما دیا میں نے یہ بات بھی انہیں بتادی کہ تم دوبارا ایسی سرکشی کرو گے کہ حد سے گزر جاؤ گے۔ دو دفعہ تو زمین پر بہت بڑی سرکشی کرو گے۔ بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ بہت مظالم ڈھاؤ گے چنانچہ ان دو میں سے فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (5) جب پہلی بار تم حد سے بڑھے تم نے انبیاءؑ کا اتباع چھوڑ دیا، اللہ کی اطاعت چھوڑ دی اور لوٹ مار، بدکاری، عیاشی، نشہ کرنا، جواء کھیلنا اور ڈاکہ ڈالنا تمہارا رواج بن گیا۔ تم نے روئے زمین کو فساد سے بھر دیا۔ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تو ہم نے تم پر اپنے وہ بندے مسلط کر دئے جو بڑے جنگجو تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی برائیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو بخت نصر ایک بادشاہ تھا جس نے ان پر حملہ کر دیا جس کی فوج فن حرب میں بڑی ماہر تھی جو خود بڑا ظالم تھا۔ اس نے انہیں تباہ و برباد کر دیا، ان کا قتل عام کر دیا۔ جو بچ گئے انہیں قیدی بنا کر لے گیا۔ بیت المقدس کو لوٹا، یہودیوں نے جو دولت وہاں جمع کر رکھی تھی وہ بیل گاڑیوں میں بھر کر لوٹ کر لے گیا۔ بے شمار لوگوں کو قتل کیا جو بچ گئے انہیں قیدی بنا کر ساتھ لے گیا۔ یہاں اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب پہلی دفعہ تم نے حد سے تجاوز کیا۔ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اب یہاں دیکھ لیں، جہاں انبیاءؑ کا ذکر آیا فرمایا عبداً ہمارا بندہ یہاں فرمایا: عِبَادًا لَّنَآ میرے مملوک بندے، میری مخلوق بندے۔ یہ نہیں فرمایا، میرے بندے۔ کافر تھے، کافر بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ یہاں فرمایا، عِبَادًا لَّنَآ میری مخلوق، میرے مملوک جو بڑے جنگجو تھے چنانچہ ان کے گھروں میں گھس گئے اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ وَ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (5) اور وہ وعدہ پورا ہو گیا جو اللہ نے کیا تھا۔ جو وعدہ دنیا کے بارے تھا وہ تو انبیاءؑ کی آنکھوں کے سامنے پورا ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ اللہ کی کتاب میں جو کچھ ہے وہ حق ہے ایسا ہی ہوگا۔ اس کی غلامی میں، ذلت و رسوائی میں کم و بیش ستر سال یہ قوم وہاں رسوا ہوتی رہی۔ کئی نسلیں مرگئیں نئی نسلیں آ گئیں تو

پھر ایران کے حکمران نے بخت نصر کے ملک پر چڑھائی کی اسے شکست دی۔ اس بادشاہ کو ان پہ رحم آیا اور اس نے انہیں آزاد کر دیا۔ یہ واپس بیت المقدس میں، اپنے ملک فلسطین میں آ کر آباد ہو گئے پھر فرمایا کہ دوبارہ جب تم نے توبہ کی اور معافی مانگی اور گڑگڑائے تو ہم نے تمہاری نجات کے ذرائع بنا دیئے۔ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ تمہیں ان پر غلبہ دے دیا وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ تمہیں مال و دولت عطا کی اور اولاد کی فراوانی وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا (6) تمہیں تعداد میں بہت زیادہ کر دیا۔ اللہ اپنی نعمتوں میں سے بنیادی نعمتیں چُن کر ارشاد فرما رہا ہے، کہ ہم نے مال سے تمہاری مدد کی۔ اس کا مطلب ہے مال کا ہونا بری بات نہیں ہے، جائز وسائل سے، حلال مال کا ہونا زندگی کی آسانی کا سبب ہے، اللہ کی نعمت ہے۔ کسی کو وہ حلال مال دے، جائز طریقے سے مال دے تو مال ہونا اللہ کی نعمت ہے اور اگر قوم مالدار ہو تو باوقار ہوتی ہے ہماری طرح نہیں جیسے آج ہم کاسۂ گدائی ہے در در پھرتے ہیں۔ قومی اعتبار سے ہم قلاش ہو چکے ہیں۔ یہ اللہ کا عذاب ہے، نافرمانیوں اور گستاخیوں کی سزا ہے۔ اس کا علاج بھی توبہ ہی ہے۔ اگر ہم خلوصِ دل سے توبہ کریں اور ساری قوم یکسو ہو کر اللہ کو پکارے، اللہ کی عبادت کرے، حلال اور جائز وسائل پہ اکتفا کرے تو اللہ کریم مالدار بنا دے گا۔ پھر قوم کو مانگنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

فرمایا، ہم نے تمہیں مال دیا اور اولاد میں کثرت دی۔ اللہ کریم کثرت اولاد کو اپنی نعمت ارشاد فرما رہے ہیں اور ہماری حکومت کہتی ہے کہ اولاد کی تعداد کم کی جائے۔ ذرائع ابلاغ دہراتے رہتے ہیں کہ آبادی بہت بڑھ گئی ہے، مسائل بڑھ گئے ہیں لہٰذا آبادی کم کی جائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ میرا انعام ہے جتنے بندے ہوں گے اتنا رزق بھی ہوگا، مخلوق میری ہے، میں رازق ہوں، جتنے بندے ہوں گے اتنا رزق بھی آئے گا۔ کتنے غریب خاندانوں کو ہم جانتے ہیں میاں بیوی دو تھے روکھی سوکھی بھی کھا لیتے تھے، ان کے دس دس بیٹے ہو گئے تو وہ گاؤں کے چوہدری بن گئے ان کے پاس مال بھی آ گیا اور وسائل بھی آ گئے، طاقت بھی آ گئی اولاد کا ہونا بھی اللہ کا انعام ہے۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ اگر تم پہلے کام کرو گے اگر تم نیکی کرو گے تو اپنی بھلائی کے لئے کرو گے اس کا اجر تمہیں ملے گا۔ اللہ اس بات سے بے نیاز ہے۔ ساری مخلوق اس کو مان لے تو اس کی شان بڑھتی نہیں اور ساری مخلوق انکار کر دے تو اس کی شان میں کمی نہیں ہوتی، وہ مخلوق کے ماننے، نہ ماننے سے بے نیاز ہے۔ مخلوق نے اگر بھلائی کرنی ہے، اللہ کی اطاعت کرنی ہے، اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرنا ہے، اللہ کی کتاب پر عمل کرنا ہے تو اس کا فائدہ خود اسے ہوگا۔ اس پر اللہ کے انعامات ہوں گے وہ بندوں کا محتاج نہیں رہے گا، اسے دنیا میں عزت و وقار حاصل ہوگا، اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا اور اگر تم نافرمانی کرو گے تو وہ تمہارے اپنے گلے پڑے گی، اللہ کی عظمت میں اس سے کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ یعنی اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے لئے کرو گے اور اس کا فائدہ تمہیں ہوگا۔ اگر برائی کرو گے تو اس کا وبال تم پر وارد ہوگا، سزا بھی تمہیں ملے گی۔ لیکن جب ان کے پاس دولت بھی آ گئی، اولاد بھی آ گئی، طاقت آ گئی، اپنی حکومتیں بن گئیں تو پھر نافرمانی پہ اتر آئے، پھر وہی ظلم و ستم شروع کر دیا، پھر وہی، عیاشی، بدکاری، لوٹ مار برائی شروع کر دی۔

فرمایا: فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَ لِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا (7) پھر ہم نے تم پر وہ لوگ مسلط کر دیئے جنہوں نے مار مار کر تمہارے چہرے بگاڑ دیئے اور جس طرح پہلے مسجد میں داخل ہو کر بخت نصر نے لوٹا تھا اسی طرح ان پر پھر قیصر حملہ آور ہو گیا اور اس نے مار مار کر ان کے حلیے تباہ کر دیے۔ بے شمار لوگوں کا قتل عام ہوا اور اس نے اُسی طرح ان کے گھروں کو، مسجد کو، بیت المقدس کو اور ان کی عبادت گاہوں کو لوٹا اور مال لے کر چلتا بنا وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا (7) جس جس چیز پر اس کا بس چلا اس نے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مساجد تباہ کر دیں معابد اجاڑ دیئے، گھر جلا دیئے، مار مار

کران کا بھرکس نکال دیا۔ فرمایا لِیَسُوْۤءٗ وُجُوْهَكُمْ تمہیں مار مار کر تمہارے چہرے تباہ کر دیے۔ اس سب کے باوجود عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ اگر اب بھی تم توبہ کر لو اللہ تم پر رحم کرے گا۔ اس برائی کے حد سے گزرنے کے باوجود، عذاب الٰہی مسلط ہونے کے باوجود اگر اب بھی توبہ کر لو اللہ تم پر رحم کرے گا۔ برائی کی کوئی حد ایسی نہیں ہے جس پر توبہ سے منع کر دیا گیا ہو۔ کتنے بھی گناہ ہو گئے ہوں اس کا علاج پھر بھی توبہ ہی ہے۔ گناہ سے توبہ کی۔ پھر گناہ ہو گیا، توبہ ٹوٹ گئی، اس کا علاج بھی توبہ ہی ہے۔ پھر بھی توبہ ہی کرے گا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ توبہ ہی وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ کریم رحم فرماتے ہیں۔ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا اور پھر اگر تم پلٹ کر برائی کرو گے، توبہ کرنے کے بعد پھر برائی کرو گے تو ہم بھی تمہیں سزا دیں گے۔ جو تم کرو گے وہی پاؤ گے کیونکہ نتائج تمہارے کردار پر مرتب ہوتے ہیں۔ تم توبہ کرو گے، نیکی کرو گے اللہ تم پہ رحم فرمائے گا اگر پھر برائی شروع کر دو گے تو پھر اللہ کی سزا تم پہ آ جائے گی۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا تو عارضی ہے یہ مشکلات میں بھی گزر ہی جاتی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ فرمایا: وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا (8) آخرت میں ہم نے دوزخ کو کافروں کا قید خانہ بنا دیا ہے۔ دنیا تو مصیبت میں تکلیف میں گزر جاتی ہے۔ بہت زیادہ تکلیف ہو تو موت آ جاتی ہے، زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن جہنم میں زندگی کا کوئی تصور نہیں ہوگا اور موت بھی نہیں آئے گی، مسلسل عذاب ہوں گے تو یہ برائی اور کفر جو ہے یہ تو جہنم کی طرف سفر کرنے کی بات ہے اس سے بچو اور یہ سارے واقعات سنا کر بتایا کہ جس طرح ہم نے تورات اتاری تھی انجیل اتاری تھی، انبیاء کتابیں لائے تھے وہ ہدایت کا سبب بنیں تھیں۔ جن لوگوں نے نافرمانی کی وہ تباہ ہو گئے جن لوگوں نے اتباع کیا ان پر اللہ کا انعام ہوا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ یقیناً یہ قرآن ایسی کتاب ہے جو ہر کام کے کرنے کا وہ طریقہ بتاتی ہے جو سب سے صحیح ترین ہے۔ ذاتی کام ہو، خاندانی ہو، قومی ہو، ملکی ہو، بین الاقوامی ہو، زندگی کے کسی شعبے کا کام ہو سب میں بہترین راہنمائی کرتی ہے۔

ہمارے ہاں تو دانشور کہلوانے والوں کا یہ حال ہے کہ مرکز میں وزیر ہیں لیکن سورۃ اخلاص تک نہیں آتی حالانکہ سورۃ اخلاص وہ سورت ہے ہر ان پڑھ اجڈ جنگلی بھی اگر نماز پڑھتا ہے تو اس میں اور کچھ نہ آتا ہو تو سورۃ اخلاص ضرور پڑھتا ہے اور ہر رکعت میں پڑھتا ہے اب یہی دانشور ہیں ان کا خیال یہ ہیں کہ دین اپنی ذات کے لئے ہے، دین کو سیاست سے الگ رکھیں یعنی ایک فرد کی ذات کے لئے تو دین ہے اور جب کروڑوں اربوں ذوات کا معاملہ ہو تو دین سے الگ کر دو۔ انہیں بھیڑوں کی طرح ہانکو یہ کون سی فلاسفی ہے، یہ کون سی دانشمندی ہے؟ قرآن اگر فرد کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے تو ملت کے حقوق کا تحفظ بھی قرآن ہی کرتا ہے۔ قوم کے، انسانیت کے حقوق کا اور کافروں کے حقوق کا بھی تحفظ کرتا ہے۔ جب انسانیت کی بات آتی ہے تو جو قرآن کو نہیں مانتے ان کے حقوق کا بھی تحفظ کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن کو چھوڑ کر سیاست نہیں ہوگی، چنگیزی ہوگی، ظلم ہوگا، تباہی ہوگی، بربادی ہوگی۔ یہ بدلتے رنگ ہم دیکھتے رہتے ہیں۔ معلوم نہیں کیوں لوگوں کی یادداشتیں اتنی کمزور ہیں۔ گزشتہ کل جو الیکشن میں نعرے لگتے تھے کہ اتنے کھرب فلاں کے پاس ہیں اتنے کھرب ڈالر فلاں کے پاس پڑے ہیں اور یہ عوام کا پیسہ ہے اسے واپس لانا چاہئے اور ہم یہ واپس لائیں گے۔ آج ان ہی لوگوں کے پاس حکومت ہے تو جن عوام کو لوٹ کر گزشتہ حکومت پیسے باہر لے گئی تھی اسی عوام پر موجودہ حکومت بھی ٹیکس بڑھا رہی ہے۔ لوٹی ہوئی دولت کی واپسی کا نام نہیں لیا جا رہا۔ اب کبھی آپ نے سنا کہ فلاں کا باہر والا پیسہ واپس لائیں گے؟ نہیں، اب عوام پر مزید بوجھ پڑ گیا کہ تم ہی پیسے دو ہم عیش کریں۔ یہ سارے حالات دیکھتے ہوئے میں حیران ہوتا ہوں کہ اس دعوے کے ساتھ کہ ہم مسلمان ہیں اللہ پر ایمان ہے، رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہے پھر اللہ کی فرمانبرداری چھوڑ کر ان حکمرانوں کے دروازے پر کیوں پڑے ہیں، ہر بار ان کو کیوں اپنے اُوپر مسلط کرتے ہیں؟ اللہ ہی بہتر جانے یہ فلاسفی میری سمجھ میں نہیں آتی۔

سیاستدان جھوٹ بولتے ہیں، سرعام بولتے ہیں، قسم کھا کر بولتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمیں ووٹ دو ہم ساری بیرونی دولت واپس لے آئیں گے۔ جب حکمران بن گئے تو ملک کو لوٹنا شروع کر دیا اور پھر سارا بوجھ عوام پر ڈال دیا اور عوام ہے کہ پھر اسی در پہ پڑی ہے اور اس سے اُمیدیں لگائے بیٹھی ہے۔ کاش! ہم اپنی اُمیدیں اللہ کریم سے لگاتے۔ نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتے۔ ان کی غلامی کی بجائے اللہ کی غلامی کرتے۔

فرمایا یقیناً یہ قرآن زندگی کے تمام امور میں وہ رہنمائی فرماتا ہے جو آخری اور حتمی ہے۔ اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ جس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ اور یہ قرآن اپنے ماننے والوں کو آج بشارت دیتا ہے۔ مخلوق کا فیصلہ میدان حشر میں ہوگا لیکن جو قرآن سے وابستہ ہو جاتے ہیں انہیں اس دنیا میں، آج خوشخبری سناتا ہے الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ ان لوگوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں۔ دنیا میں بشارت دے دیتا ہے۔ عمل صالح وہ ہے جو حضور ﷺ کے اتباع میں کیا جائے عمل صالح کرنے والے وہ ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے ہیں۔ نیکی کسے کہتے ہیں؟ ہر بندہ اپنی رائے سے نیکی مقرر نہیں کر سکتا۔ نیکی صرف وہ ہے جو اللہ کا حکم ہے، جس کے کرنے کا طریقہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس طریقے سے کیا جانے والا ہر کام نیکی ہے۔ کھانا، پینا، سونا، جاگنا کمانا، خرچ کرنا، ہر کام عبادت ہے اگر اس طرح کیا جائے جس طرح اللہ کریم فرماتے ہیں فرمایا اعمال صالح کرنے والوں کو قرآن حکیم اس دنیا میں جنت کی خوشخبری دیتا ہے، نجات کی خوشخبری دیتا ہے، قرب الٰہی کی اور انعامات الٰہی کی خوشخبری سناتا ہے اور انہیں یہ بتاتا ہے۔ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا (9) کہ اللہ کے نزدیک تمہارے لئے بہت بڑے انعامات ہیں۔ جن کو تم دنیا میں سمجھ نہیں سکتے، جان بھی نہیں سکتے۔

فرمایا: وَّ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (10) اور قرآن حکیم بڑا واضح کر کے بتاتا ہے کہ جن لوگوں کو آخرت پہ یقین نہیں ہے جو آج آخرت کو نہیں مان رہے، محض دنیا کی ہوس میں دیوانے ہو رہے ہیں، جائز ناجائز ہر طریقے سے دولت واقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں قرآن حکیم یہ بھی بتا رہا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے بڑے دردناک عذاب ہیں۔ جس طرح ماننے والوں کو خوشخبری دے رہا ہے اسی طرح نہ ماننے والوں کو عذاب الٰہی کی خبر بھی دے رہا ہے کہ نہ مان کر تم بڑے گھاٹے کا سودا کر رہے ہو۔ بہت خسارے میں رہو گے۔ دنیوی زندگی عارضی ہے دولت جمع کر کے چھوڑ جاؤ گے، عہدے رہ جائیں گے، تم چلے جاؤ گے۔ آخرت کی زندگی بڑی لمبی دائمی اور نہ ختم ہونے والی ہے۔ نافرمانی کرنے کے عذاب وہاں بڑے دردناک ہوں گے۔ قرآن کریم زندگی کے ہر مسئلے کا حل بتاتا ہے ہر کام کرنے کا صحیح طریقہ اور سلیقہ بتاتا ہے جو اس پر ایمان رکھتا ہے اس کو جنت کی بشارت دیتا ہے جو نہیں مانتا اس کو دوزخ کی وعید بھی سنا دیتا ہے۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

دعائے مغفرت

(1) سرگودھا سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حکیم محمد ابراہیم کے والد محترم
(2) مردان سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی شاہجہاں
(3) کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عبدالرحمٰن آغا کی والدہ محترمہ
(4) جہلم/دینہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی چوہدری محمد شاہد کی والدہ محترمہ
(5) فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی جاوید محمود کی اہلیہ
(6) فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی صوبیدار محمد سلیم کی اہلیہ

وفات پا گئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اس دائرے میں اگر کراس × کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

سورۃ یوسف

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

اپنے حقوق میں کمی کرنے والے کے حق میں بھی کمی نہ کرنا:

قولہ تعالیٰ: قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا یوسف: 47

ترجمہ: آپؑ نے فرمایا کہ تم سات سال متواتر غلہ بونا۔

''یوسفؑ نے فوراً ہی اس کو ارشاد فرمانا شروع کر دیا اور اس پر ملامت نہ کی کہ تو نے میری فرمائش اذکرنی عند ربک میں تقصیر کی اس سے غایت درجہ کا حلم وکرم معلوم ہوتا ہے۔ اہل طریق کو بھی یہی شان ہونا چاہیے کہ ایسے شخص کے حقوق میں بھی کمی نہ کریں جو ان کے حق میں کمی کرے۔''

اب اس بندے کو یہ یاد نہ تھا کہ بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا تو وہ بھول گیا اور کئی سال پھر گزر گئے۔ بادشاہ کو خواب آیا اور خواب کی تعبیر سے اسے یوسفؑ یاد آئے اور بھاگا بھاگا وہ تعبیر پوچھنے آیا۔ تو فرماتے ہیں یوسفؑ نے اسے ملامت نہیں کی کہ تم نے اتنا عرصہ تو مجھے یاد نہیں کیا اب ضرورت پڑی تو آ گئے ہو بلکہ فوراً ہی اسے خواب کی تعبیر بتانا شروع کر دی فرمایا اہل اللہ کی شان یہی ہوتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گرفت نہیں کرتے لیکن بندے کو خود احساس ہونا چاہیے۔

مقتدا کے لیے اپنی تبریہ کی سعی کا مستحسن ہونا:

قولہ تعالیٰ: فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ یوسف: 50

ترجمہ: پھر جب ان کے پاس قاصد پہنچا آپؑ نے فرمایا کہ تم اپنی سرکار کے پاس لوٹ جا پھر اس سے دریافت کر کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔

''یہ اس لیے فرمایا کہ تہمت کا ازالہ ہو جاوے اور مقتدا کو یہی مناسب ہے تا کہ اس کی دعوت الی الحق پر نفع مرتب ہو اور حدیث لاجبت الداعی میں حضور کی تواضع ہے اور بیان ہے یوسفؑ کے کمال حلم و استقلال کا جیسا بہت سی حدیثوں میں دوسرے انبیا علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے۔''

تو فرمایا کہ جب وہ بلانے کے لیے آیا پھر جب اس نے تعبیر بتائی تو بادشاہ نے پھر قاصد بھیجا کہ ان کو بلا لو تو آپؑ نے فرمایا پہلے ان عورتوں کو بلاؤ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ ان سے واقعہ پوچھو کہ کیا ہے۔ تو فرماتے ہیں یہ جائز ہے کہ جو شخص مقتدا ہو اگر ایسا موقع آئے تو اس پر جو الزام لگے ہوئے ہیں ان کا دفاع کرے اس سے لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے تا کہ لوگوں کے ذہن صاف ہو جائیں۔

ابہام دعویٰ سے تحاشی:

قولہ تعالیٰ: ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ الی قولی وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ یوسف: 52-53

ترجمہ: یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تمام اہتمام محض اس وجہ سے تھا کہ عزیز کو یقین کے ساتھ معلوم ہو جاوے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو میں دست اندازی نہیں کی الی قولہ (اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا)۔

"اس میں دلالت ہے کہ اگر اپنے کمالات کبھی بیان کرنا پڑیں تو اس بیان کی حکمت بھی ظاہر کر دینا بہتر ہے۔"

اس آیت کے ترجمے میں سارے علماء یہاں غلطی کھا گئے ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ بادشاہ نے قاصد بھیجا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا نہیں پہلے ان عورتوں کو بلاؤ ان سے معاملہ دریافت کرو۔ عورتیں بلائی گئیں تو عزیز مصر کی بیوی جس کا نام زلیخا بتاتے ہیں۔ اس نے کہا جی میرا قصور تھا، میں نے غلطی کی مجھ سے کچھ ہوا، آگے وہ کہتی ہے ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ اور میں یہ سچ اس لیے بتا رہی ہوں کہ یوسفؑ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی غیر موجوگی میں، میں نے ان پر جھوٹ باندھا اور ان سے خیانت کی اور آگے اسی کا قول ہے وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ میں اپنے نفس کو بری نہیں سمجھتی اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ نفس برائی کا حکم دیتا ہے۔ یہ قول زلیخا کا تھا لیکن تمام علمانے اسے یوسفؑ کی طرف منسوب کر دیا۔ بھلا یوسفؑ جیل میں ہیں وہ تشریف ہی نہیں لائے اور یہ ساری بات ہونے کے بعد دوبارہ بادشاہ حکم دیتا ہے کہ جاؤ یوسف علیہ السلام کو لے کر آؤ اور پھر وہ دوبارہ آتے ہیں تو نہ یہاں کوئی قرینہ صارفہ ہے۔ قرینہ صارفہ کہتے ہیں کہ کوئی ایسا اشارہ ملے کہ عبارت اس طرف مڑ جائے وہ بھی کوئی نہیں صریح عبارت بھی اس طرف دلالت نہیں کرتی۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یوسفؑ نے جیل میں انکار کر دیا کہ میں بادشاہ کے پاس نہیں آتا، پہلے ان عورتوں کو بلاؤ۔ ان عورتوں نے کہا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ اور اس سے پہلے یہ بھی کہا ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ لیکن علماء نے یہ سب اٹھا کر یوسف علیہ السلام پر ڈال دیا کہ یوسفؑ فرماتے ہیں کہ میں نے غائبانہ اس کی خیانت نہیں کی اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کہتا۔ یہ جملہ ایک پیغمبر کے شایان کیسے ہو سکتا ہے؟ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے مدینہ منورہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر یا اپنی قیام گاہ میں بیٹھ کر کوشش کی کہ سورہ یوسف کی تفسیر مدینہ منورہ میں مکمل کریں تو انہوں نے اس آیت پر بڑی خوبصورت بحث فرمائی ہے اور قرآن کریم آپ پڑھیں تو یہ سارے جملے زلیخا کے ہیں اور پھر وہ کہتی ہے وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ ۚ اور اس کے بعد پھر بادشاہ کہتا ہے وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِىْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ جاؤ یوسفؑ کو لے کر آؤ کہ میں اس کو اپنے ساتھ خاص امور کے لیے رکھ لوں۔ یعنی پہلے بلانے پر آپ نہیں آئے۔ ساری بات عورتوں نے کی اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ جاؤ یوسفؑ کو وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِىْ جاؤ انہیں میرے پاس لے کر آؤ اب تو معاملہ صاف ہو گیا تو پھر یہ جملے کس نے یوسفؑ کی طرف منسوب کر دیئے؟ کسی ایک نے غلطی سے لکھ دیا پھر سارے اسے نقل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ جملے زلیخا کے ہیں یوسفؑ کے نہیں ہیں۔

مناصب کا کاملین کو مضر نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: قَالَ اجْعَلْنِىْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ یوسف:55

ترجمہ: یوسفؑ نے فرمایا کہ ملکی خزانوں پر مجھ کو مامور کر دو۔

اس میں دلالت ہے کہ منصب وحکومت کی درخواست جب کہ اس میں مخلوق کا نفع ہو اور خود اپنا یہ ضرر ہو کہ غیر اللہ میں مشغول ہو جاوے، قادح فی الکمال نہیں۔"

یعنی کسی میں استعداد ہو اور اسے یہ بھروسہ ہو کہ میں اگر اس منصب پر ہوں گا تو لوگوں کا فائدہ ہو گا تو وہ درخواست کرے کہ یہ ذمہ داری مجھے دے دو میں اچھی طرح سے کروں گا تو اس میں حرج نہیں ہے۔

اپنے حسن معاملہ کا اظہار کسی مصلحت سے:

قولہ تعالیٰ: اَلَا تَرَوْنَ اَنِّىْٓ اُوْفِى الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ یوسف:59

ترجمہ: تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں۔

''اس میں دلالت ہے کہ اپنی خوش معاملگی کا اظہار اگر اس سے اپنی مدح مقصود نہ ہو بلکہ اس میں کوئی مصلحت ہو منافی تواضع نہیں۔''

جو اپنے معاملات اچھی طرح کرتا ہے وہ لوگوں کو بتائے محض اپنی تعریف کرنا مقصد نہ ہو بلکہ لوگوں کی اصلاح مقصد ہو کہ اس طرح کرو تو یہ درست ہے۔

تدبیر و توکل میں تنافی نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا یوسف:66

ترجمہ: یعقوبؑ نے فرمایا کہ اس وقت تک ہرگز اس کو تمہارے ہمراہ نہ بھیجوں گا جب تک کہ اللہ کی قسم کھا کر مجھ کو پکا قول نہ دو گے۔

''اس میں دلالت ہے کہ تدبیر ماذون فیہ توکل کے منافی نہیں۔''

جب بھائیوں نے کہا کہ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیجئے تو یعقوبؑ نے کہا کہ پہلے اللہ کی قسم کھاؤ کہ تم اسے ٹھیک ٹھاک واپس لاؤ گے نہیں تو میں تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔ یہاں فرماتے ہیں کہ جو تدبیر ماذون فیہ یعنی جس کی شریعت نے اجازت دی ہو وہ اختیار کرنا کمال کے منافی نہیں ہے۔

عبد کے افعال کا مظہر افعال حق ہونا

قولہٗ تعالیٰ: كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ یوسف:76

ترجمہ: ہم نے یوسف کی خاطر اس طرح تدبیر فرمائی۔

''اس عنوان میں اشارہ ہے اس طرف کہ کامل کے افعال، افعال حق کے مظاہر ہیں۔''

یعنی کام تو یوسف علیہ السلام نے کیا تھا کہ وہ پیمانہ غلہ میں چھپا دیا تھا اور پھر بھائی کو روک دیا۔ اللہ نے فرمایا ہ ذٰلِكَ یہ تدبیر ہم نے کی تھی یوسفؑ کے ساتھ۔ فرماتے ہیں کاملین کے افعال جو ہوتے ہیں وہ اللہ کی قدرت کے مظاہر ہوتے ہیں۔ وہ اگر سمجھ نہ آئے تو ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ یہ افعال حق کے مظاہر ہوتے ہیں، اللہ کی قدرت کے مظاہر ہوتے ہیں۔

خلق کی محبت طبعیہ کمال حب حق کے منافی نہیں:

قولہٗ تعالیٰ: وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ یوسف:84

ترجمہ: اور ان سے دوسری طرف رخ کرالیا اور کہنے لگے ہائے یوسف۔

یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ منصب نبوت کے خلاف ہے کیوں کہ معرفت کاملہ اس کے لوازم سے ہے اور اس کے لوازم سے محبت کاملہ ہے۔ اور اس کے ساتھ غیر کی گنجائش کہاں۔ جواب یہ ہے کہ یہ محبت طبعیہ ہے اور یہ حب حق کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے اور کاملین میں یہ محبت ان کو حق تعالیٰ کی رضا سے غافل نہیں کرتی بلکہ اس میں معین ہوتی ہے جیسا یعقوب علیہ السلام کا یہ قول اس پر دال ہے۔ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یوسف:86 یعنی یوسف علیہ السلام کے لیے اتنا روئے اور بیٹوں سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے یوسف اور فرماتے ہیں یہ تو کمال کے خلاف ہوگیا۔ فرماتے ہیں نہیں محبت حق جو ہے وہ اپنی جگہ ہے اور یہ محبت طبعی ہے جو فطری طور پر انسان کو انسان سے ہوتی ہے اور یہ حب حق کے ساتھ ہو تو یہ منع نہیں ہے۔ محبت نہ ہو تو اولاد کو کون پال سکتا ہے۔ ماں کو محبت نہ ہو تو انسان کا بچہ پالنا تو بڑا مشکل ہے۔ تو یہ محبت طبعی ہوتی ہے ہاں وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:165) آیت نمبر اس پر غالب آنی چاہیے یعنی طبعی محبت میں کوئی غیر شرعی کام نہ کرے اللہ کی محبت غالب آئے۔ محبت طبعیہ کمزوری نہیں بلکہ یہ انسانی وصف ہے۔

عارف کا سہولت سے معاف کرنا:

قولہٗ تعالیٰ: قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ یوسف:92

ترجمہ: یوسفؑ نے فرمایا کہ نہیں تم پر آج کوئی الزام الخ

"روح میں شاہ کرمانی سے منقول ہے کہ جو شخص مخلوق کو نظر حق سے دیکھے گا وہ ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کرے گا اور جو شخص ان کو اپنی نظر سے دیکھے گا اپنی عمران کی بحث وتکرار میں ختم کردے گا دیکھئے یوسفؑ کو چونکہ مجازی قضا کا علم تھا انہوں نے اپنے بھائیوں کا کس طرح عذر قبول کرلیا۔"

فرمایا مخلوق کو نظر حق سے دیکھو کہ کتنی مخلوق اللہ کی نافرمانی کرتی ہے وہ انہیں پال رہا ہے نعمتیں دے رہا ہے۔ اس نظر سے مخلوق کو دیکھا جائے۔ اگر مخلوق کو اپنی نظر سے دیکھو گے تو پھر ان کے کردار پر بحث کرتے کرتے تمہاری عمریں بیت جائیں گی۔ کچھ نہیں ہوگا کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ لہٰذا جس وقت بھائیوں نے فرمایا غلطی ہوگئی، فرمایا کوئی پرواہ نہیں، تمہیں معاف کیا۔ اب اس بحث میں پڑتے تو کتنا وقت ضائع ہوتا۔ انہوں نے نظر حق سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح درگزر فرما رہے ہیں چلو چھوڑ دیا جانے دو۔ جیسے اہل مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت سنائی تھی لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ تم آزاد ہو۔

کشف کا اختیاری نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ یوسف:94

ترجمہ: اور جب قافلہ چلا تو ان کے باپؑ نے کہنا شروع کیا کہ اگر تم مجھ کو بڑھاپے میں بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو ایک بات کہوں کہ مجھ کو تو یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔

روح البیان میں ہے کہ چونکہ ملاقات کا وقت آچکا تھا اس لیے یہ خوشبو مدرک ہوگئی اور جب وہ کنوئیں میں بہت ہی قریب تھے چونکہ وقت نہ آیا تھا یہ خوشبو مدرک نہ ہوئی اور یہی حال ہے اولیاء کے مکاشفات کا۔

گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

وہی بات جو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اللہ کی اپنی شان ہے کنوئیں میں پڑے رہے وہاں سے خوشبو نہیں آئی حالانکہ اسی گاؤں کا کنواں تھا۔ جب اللہ کو ملاقات منظور تھی تو مصر سے خوشبو آگئی۔

صلاح پر مغرور نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا یوسف:101

ترجمہ: مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لیجئے۔

اس سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک باوجود عصمت اور امتناع کفر کے انبیاء علیہم السلام کا خوف کرنا۔ دوسرے بعض تفاسیر پر شوق اللقاء میں موت کی تمنا کرنا۔"

اس میں دو مسئلے ہیں ایک تو انبیاءؑ جو معصوم ہوتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں اللہ مجھے اسلام پر موت دینا اس کا مطلب ہے یہ دعا کرنا بہت ہی اعلیٰ ہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو اور دوسرا وہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کو انتہائی محبت میں موت کی تمنا ہو جاتی ہے اور وہ معیوب نہیں۔

شیخ کے لیے صاحب بصیرت ہونے کی ضرورت:

قولہ تعالیٰ: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا یوسف:108

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے۔ میں اللہ کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں۔

"روح میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ داعی الی اللہ کو طریق ایصال کا ماہر اور حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا عارف ہونا چاہیے۔"

اللہ کی طرف بلانے میں اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ کو صاحب بصیرت اور صاحب دعوت ہونا ضروری ہے اس امر کی طرف مرید کو بلا رہا ہے اس کی بصیرت اور اس کے بارے شیخ خود اچھی طرح جانتا ہو تب دوسرے کو بلائے۔

اکرم التفاسیر

سورۃ الکہف آیات 1تا12

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی
حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ
الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ
تمام خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے (خاص) بندے پر (یہ) کتاب نازل فرمائی
وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا (1) قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا
اور اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں رکھی۔ سیدھی قائم رکھنے والی/استقامت والی/سلیس)
شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ وَ یُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ
تاکہ وہ (لوگوں کو) سخت عذاب سے ڈرائے جو انکی طرف سے آنے والا ہے اور ایمان والوں
الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا حَسَنًا (2)
کو جو نیک کام کرتے ہیں خوش خبری سنائے کہ ان کے لئے اچھا بدلہ (جنت) ہے۔
مّٰکِثِیْنَ فِیْہِ اَبَدًا (3) وَّ یُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ
جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ اس کی
اللّٰہُ وَلَدًا (4) مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ وَّ لَا لِاٰبَآئِھِمْ کَبُرَتْ
کوئی دلیل ان کے پاس نہیں اور نہ ان کے باپ دادوں کے پاس تھی بہت بھاری بات ہے جو
کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا (5)
ان کے منہ سے نکلتی ہے یہ جو کچھ کہتے ہیں یہ محض جھوٹ ہے۔ (آپ ان پر اتنا غم کھاتے ہیں)
فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا
سو شاید آپ ان کے پیچھے اگر اس وہ بات (قرآن) پر ایمان نہ لائے تو مارے غم کے اپنی جان
بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا (6) اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً
دے دیں (یعنی اتنا غم نہ کیجئے)۔ بے شک ہم نے زمین پر چیزوں کو اس (زمین) کے لئے
لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (7) وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ
رونق کا سبب بنایا ہے تاکہ ہم ان (لوگوں) کو آزمائیں کہ ان میں کون اچھے کام کرنے والا ہے۔
مَا عَلَیْھَا صَعِیْدًا جُرُزًا (8) اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ
اور یقیناً ہم اس پر تمام چیزوں کو (فنا کر کے) ایک صاف میدان کر دیں گے۔ کیا آپ خیال
الْکَھْفِ وَ الرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا (9) اِذْ اَوَی الْفِتْیَۃُ اِلَی
کرتے ہیں یہ کہ غار والے اور رقیم (پہاڑ) والے ہمارے عجائبات (قدرت) میں سے عجیب
الْکَھْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّ ھَیِّئْ لَنَا مِنْ
تھے۔ جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنے پاس
اَمْرِنَا رَشَدًا (10) فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِھِمْ فِی
سے رحمت عطا فرمائیے اور ہمارے لئے ہمارے کام میں درستی (کا سامان) مہیا فرما دیجئے۔ سو
الْکَھْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا (11) ثُمَّ بَعَثْنٰھُمْ
ہم نے ان کے کانوں پر اس غار میں سال ہا سال تک (نیند کا پردہ) ڈال دیا۔ پھر ہم نے ان کو جگا اٹھایا تاکہ
لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا (12)
معلوم کریں دونوں جماعتوں میں سے جتنی مدت وہ (غار میں) رہے ہیں (اس کی مقدار) کس کو خوب یاد ہے۔

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ۔

سورہ کہف بھی اُن سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ نے علمائے یہود کے پاس مدینہ منورہ وفد بھیجا کہ کوئی ایسے سوال ہمیں بتائے جائیں کہ ہم حضور ﷺ پر وہ سوال پیش کریں تاکہ آپ ﷺ جو دعویٰ نبوت کرتے ہیں اس کی پرکھ ہو سکے۔ تو انہوں نے تین سوال بتائے۔ ایک روح کے بارے میں جو پہلے گزر چکا اور دوسرے دو سوال اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے

بارے جو اس سورۂ مبارکہ میں ہیں۔

اصحابِ کہف چند نوجوان تھے اور امیر گھرانوں کے اچھے بچے تھے۔ دینِ عیسوی کا زمانہ تھا، یہ نوجوان دین پر تھے، ان کا عقیدہ درست تھا۔ بادشاہ کا نام مفسرین نے دقیانوس لکھا ہے وہ بے دین اور کافر تھا۔ اسی بادشاہ دقیانوس کے نام پر یہ محاورہ آج تک مستعمل ہے کہ جب یہ نوجوان کئی سوسال بعد زندہ ہوئے لوگوں نے ان کے سکے سے پہچان لیا کہ یہ بادشاہ دقیانوس کے زمانے کے ہیں تو کہا گیا کہ یہ کئی سوسال پرانی بات ہے۔ اس سے آج بھی جب کسی پرانی ترین بات کا ذکر ہو تو اسے دقیانوسی بات کہتے ہیں۔ تو اُس کے پاس کسی نے شکایت کی کہ یہ تو آپ کے اہلِ دربار اور سردار لوگوں کی اولادیں ہیں جو آپ کی بات نہیں مانتیں اور اُسی پرانے مذہب پر ہیں یعنی مسلمان ہیں تو اُس نے انہیں دربار میں بُلا کر بہت ڈانٹا اور کہا کہ جو ہم سب کا مذہب ہے، اُس پر آجاؤ یہ پرانی باتیں چھوڑ دو ورنہ قتل کردیئے جاؤ گے۔ انہیں سوچنے کی جو مہلت ملی تو انہوں نے یہ سوچا کہ کس طرح اس سے بچا جا سکتا ہے اور یہ فیصلہ کرلیا کہ کفر سے بچنے کے لئے جنگل چلے جاتے ہیں، آبادی سے نکل جاتے ہیں۔ وہ جنگل میں گئے اور غار میں پناہ گزیں ہوگئے۔ اللہ کریم سے دعا کی۔ اللہ کریم نے اُنہیں اپنے جوارِ رحمت میں لے لیا اور 309 سال بعد اُن کی نیند کھلی، پھر ظاہر ہوئے اور جب اُن کی نیند کھلی تو تب ایک مسلمان بادشاہ تھا۔ دقیانوس کی نسل ختم ہوگئی تھی اُسے ایک مسلمان بادشاہ نے فتح کرلیا جو خود دینِ عیسوی پر تھا لیکن تب تک دین میں بہت سی چیزوں کی آمیزش کردی گئی تھی اور حقائق مسخ کردیئے گئے تھے حتیٰ کہ ایک فرقہ حیات بعد الموت کا انکار کر رہا تھا۔

لوگ مالی مفاد کے لئے عجیب باتیں گھڑ لیتے ہیں۔ نام دین کا ہوتا ہے حاصل دنیا کرنا چاہتے ہیں جیسے آج کل ہمارے ہاں بھی ایک بڑا فرقہ ہے جو عذاب وثواب قبر کا اور برزخی زندگی کا انکار کرتا ہے تو اُس زمانے میں یہ فتنہ پیدا ہوگیا تھا کہ جو مرگیا، مرگیا۔ جہاں گیا، گیا بس۔ اُس کی قبر میں پھر کون سی زندگی اور پھر کیا......؟

تو یہ ایک عظیم فتنہ پوری ریاست میں پھیلا ہوا تھا اللہ کریم نے جب انہیں دوبارہ نیند سے جگا دیا اور تین سوسال بعد پھر زندہ ہو کر آگئے اور اُس زمانے کا سکہ لے کر بازار گئے تو لوگوں نے دیکھا کہ یہ سکہ تو دقیانوس کا ہے، بہت پُرانا ہے۔ یہ کہاں تھے، کیسے آئے، کیا ہوا؟ تو وہ ساری بات کھلی اور لوگوں نے توبہ کی۔ اُن فتنوں سے تائب ہوئے اور سب نے اسلام قبول کرلیا۔ یوں فتنہ ختم ہوگیا۔ پھر اللہ کریم نے انہیں موت دے دی۔ جگہ کی تعیین کے بارے علماء کی اپنی اپنی تحقیق ہے۔ کسی نے کہا فلسطین میں تھے، کسی نے کہا فلسطین کے جنوب میں کوئی جگہ ہے وہاں تھے۔ کسی نے دیگر کئی جگہوں کے نام لکھے ہیں۔ اب ایک کتاب آئی ہے مفتی تقی عثمانی صاحب کی، انہوں نے اس غار کے بارے تحقیق کی ہے۔ کہ وہ وہاں کہیں تشریف لے گئے۔

اَصۡحٰبَ الۡکَہۡفِ وَ الرَّقِیۡمِ ۔ بعض تفسیروں میں ملتا ہے کہ رقیم اُس وادی کا نام تھا جس میں غار ہے لیکن مولانا مفتی صاحب نے جو لکھا ہے کہ اب بھی رقیم نام کی ایک بستی اس غار کے باہر وادی میں موجود ہے۔ خود وہاں غار میں بھی تشریف لے گئے لیکن یہ کوئی حتمی بات نہیں آج تک کسی نے متعین نہیں کیا کہ وہی غار ہے یا کوئی اور غار ہے۔ اب تو چودہ سوسال اور بھی گزر گئے تو چار سوسال پہلے کی بات تھی۔ اٹھارہ سو سال ہوگئے۔ انیس سوسال یعنی دو ہزار سال تقریباً۔ اس کی کوئی تعیین ضروری بھی نہیں۔ واقعہ چونکہ عجیب وغریب تھا اور حضور اکرم ﷺ پر بطور سوال پیش کیا گیا تو اللہ کریم نے اُس کے جتنے ضروری حصے تھے وہ بیان فرما دیئے۔ زیادہ تفصیلات نہیں فرمائیں۔ کون کس کا بیٹا تھا؟ اُس کا نام کیا تھا؟ غار کتنے گز دور تھی؟ شہر کتنی دور تھا؟ یہ ساری باتیں نہیں بتائیں۔ قرآن کریم تاریخ کی یا جغرافیے کی کتاب بھی نہیں ہے۔ آپ دیکھ لیں ایک واقعہ کے مختلف اجزا مختلف جگہ بیان ہوتے ہیں اور کئی بار دہرائے جاتے ہیں تو جو اُس وقت کی ضرورت ہوتی ہے، بطور دلیل جو بتانا ضروری ہوتا ہے وہ ارشاد فرما دیا جاتا ہے تاکہ موقع محل پر دلیل کے طور پر استعمال ہو۔ محض قصہ بیان کرنا مقصود نہیں تھا۔ یہاں بھی کفار کو جواب

دینا مقصود تھا تو اُس کے جتنے حصے بتانا ضروری تھے۔ان کی ہدایت کے لئے اس میں رہنمائی فرمادی۔ یہ اللہ کی حکمت ہے کہ تین سو سال پہلے اُن لوگوں کو غار میں پہنچایا۔ تین سو سال اُن پر نیند غالب رہی اور وہ سوئے رہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم خود اُن کے پہلو بدل دیتے تھے۔ تین سو سال بعد جب وہ دوبارہ زندہ ہوئے یا دوبارہ ہوش میں آئے تو لوگوں کی ہدایت کا سبب بنے اور حیات بعدالموت کی بھی دلیل بن گئے۔ یہ اللہ کا اپنا نظام ہے۔ اسی طرح ہماری نسبت اویسیہ کو آپ دیکھیں۔ حضرت سلطان العارفینؒ کو اللہ کریم نے مدینہ منورہ سے چلایا۔ انہیں ذوق شہادت پیدا ہوا۔غزوہ الہند کی غرض سے مدینہ منورہ سے چل کر یہاں برصغیر میں پہنچے۔ یہیں وصال ہوگیا تو تین سو سال تک اُن کی قبر کا جو ایک رواجی احترام ہوتا ہے کسی بزرگ کا، وہ تو رہا لیکن کسی نے اُن سے استفادہ نہیں کیا۔تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ پہلی ہستی تھی خواجہ عبدالرحیمؒ۔ان کے والد بھی صوفی تھے۔ مراقبات ثلاثہ انہوں نے والدگرامی سے حاصل کئے۔ آگے کوئی نہیں مل رہا تھا جو راہنمائی کرتا البتہ مشاہدات تھے۔ ملازمت میں یہاں تبادلہ ہوگیا اس غرض سے یہاں پہنچے تو قبر پر گئے۔ چونکہ مکاشفات تھے تو حضرتؒ سے رابطہ ہوگیا۔ مراقبات ثلاثہ لے کر آئے تھے حضرتؒ نے فنائی الرسول، فنا بقا تک مراقبات برزخ سے کرادیئے پھر حضرتؒ اپنے کام سے وہاں گئے تو حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ سے ملاقات ہوئی۔ بات چل رہی تھی کہ کیا صاحب قبر بات سُن سکتا ہے یا نہیں، برزخ میں بات ہوسکتی ہے یا نہیں؟ حضرتؒ بھی اس کے بڑے مخالف تھے۔ تو آپ نے مجلس میں دلائل بیان کئے۔حضرت کی عادت بھی تھی کہ علماء کی مجلس میں سماع موتی کے خلاف دلائل دیتے تھے۔ وہاں خواجہ عبدالرحیمؒ تشریف فرما تھے تو انہوں نے کہا، بھئی مولانا! آپ کی دلیلیں بڑی وزنی ہیں، آپ کی بات ٹھیک ہوگی لیکن ہمارے ساتھ تو برزخ سے باتیں کرتے ہیں۔ ہم آپ کی دلیلیں کیسے مانیں؟ تو اُن کی بے ساختہ بات، اُن کا زہد وتقویٰ، اُن کی پارسائی اور اُن کو دیکھ کر حضرتؒ کو خیال آیا کہ یہ بندہ جھوٹ نہیں بول سکتا، یہ کوئی بات ہے! حضرتؒ نے فرمایا اُن کے ساتھ برزخ سے میری بات کرادو۔ آپ تشریف لے گئے مزار پر اور آگے سلسلہ چلا۔ تین سو سال سوا تین سو سال بعد پھر سلسلۂ رُشد وہدایت اور سلسلۂ نسبت اویسیہ چل نکلا اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ آج روئے زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ اللہ کریم کی حکمت ہوتی ہے کہ آج جب کہ جگہ جگہ تصوف کا انکار ہو رہا ہے، مراقبات کا انکار ہو رہا ہے، حیات برزخیہ کا انکار ہو رہا ہے، اور یہاں اللہ کریم نے اس کو روئے زمین پر پھیلا دیا ہے۔ اس کی منصوبہ بندی اللہ کریم نے تین چار سو سال پہلے فرمادی تھی۔ یہ اُس کے اپنے کام ہیں۔ اسی طرح اصحاب کہف کو غار میں مقیم کردیا۔ تین سو سال بعد جب فتنہ حیات بعدالموت، سماع موتی وغیرہ پیدا ہوا تو انہیں میدان میں لے آئے۔ وہ لوگوں کی ہدایت کا سبب بن گئے یہ اللہ کریم کے اپنے نظام ہیں جنہیں وہ خود ہی بہتر سمجھتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، تمام خوبیاں سارے کمالات اُس وحدہٗ لاشریک کے لئے ہیں، کہیں کسی میں حسن ہے، کہیں کسی کے پاس علم ہے، کہیں کس کے پاس زور بازو ہے، کہیں کسی کے پاس حکومت ہے، کسی کے پاس دولت ہے تو جتنے کمالات کسی کے پاس ہیں کسی کے ذاتی نہیں ہیں۔ سب اللہ کے ہیں کسی کو علم عطا کردے، کسی کو شعور عطا کردے، کسی کو حکومت واقتدار عطا کردے تو سب کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ وقتی ہے لمحاتی ہے۔ دائمی سب اللہ کے ہیں۔ اُس کی ذاتی صفات ہیں وہ مالک ہے۔ اور بہت شکر ادا کرنا چاہیے اُس، بے پناہ کا جس کی کوئی حد نہیں۔ اُس نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر کتاب نازل فرمائی۔ یہ معمولی بات نہیں ہے نہ یہ معمولی کتاب ہے نہ یہ کسی عام انسان پر نازل ہوئی۔ عَلٰی عَبْدِہٖ۔ وہ فرمایا گیا نا۔

عبد دیگر اس عبدہ چیزے دگر

اب جس ہستی کو اللہ کریم خود اپنا بندہ کہے وہ بات اور ہے اور جو یہ کہتا رہے میں اللہ کا بندہ ہوں وہ بات اور ہے۔ سب اللہ کے بندے ہیں۔ لیکن جسے۔ اللہ کریم خاص اپنا بندہ کہے وہ مرتبہ، وہ مقام اور ہے۔ تو فرمایا سب تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے محبوب ﷺ پر

یہ کتاب اُتاری اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ اُس کتاب کو بڑے سے بڑے عالم اور فقیہہ سے لے کر عام، ان پڑھ آدمی تک سمجھ سکتا ہے۔ لَمْ یَجْعَلْ لَهٗ عِوَجًا ۔اس میں کوئی اللہ کریم نے ایسی بات نہیں رکھی جس میں الجھاؤ ہو۔ ہر بات بڑی صاف، بڑی عام فہم اور ایک عام آدمی کی سمجھ کے مطابق ہے یہ اُس کا کرم ہے، اُس کا احسان ہے ورنہ اتنی مشکل ہوتی کہ محض علماء ہی سمجھ سکتے دوسرے کو پتہ ہی نہ چلتا اور عام آدمی تو اس کے فیض سے محروم رہا یعنی ایسی بے نظیر، لازوال اور بے مثال کتاب نازل فرمائی کہ نزول سے لے کر قیام قیامت تک دنیا کے ہر گوشے، ہر ملک، ہر موسم، ہر قوم کے مزاج کے مطابق ہر سوال کا جواب اس میں موجود ہے۔ اس کے بعد کسی کتاب کے نزول کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اپنے خاص بندے پر اُتاری جو اتنا عالیشان نبی ﷺ ہے کہ جس کی بعثت کے بعد قیامت تک کسی نئے نبی کی ضرورت ہی نہیں۔ پوری انسانیت کے لئے، ہمیشہ کے لئے ہے۔ ہم ختم نبوت پہ دلیلیں دیتے رہتے ہیں۔ لیکن اسے اگر ہم تکمیل نبوت کہہ لیں تو دلیلوں کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ نبی کریم ﷺ نے خود بھی یہی مثال ارشاد فرمائی ہے۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ نبوت ایک شاندار خوبصورت عمارت تھی۔ جب کوئی اُس کے گرد پھر کر دیکھتا تو ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ اسے حیرت ہوتی اتنی شاندار عمارت ہے اور اس میں ایک دیوار میں کوئی اینٹ نہیں ہے، خلا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں، میں وہ سِل ہوں، وہ اینٹ ہوں، وہ ہستی ہوں جس سے اُس خلا کو پُر کر دیا گیا اور عمارت مکمل ہوگئی اب اس میں کوئی سوئی رکھنے کی بھی تکمیل کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا میرے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں ہوگا۔

بہت شور تھا قادیانیت کا اور علماء میں مقابلے میں ہوتے تھے۔ سید انور شاہ کشمیریؒ اور پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے بڑا کام کیا۔ بڑے مناظرے کئے۔ بڑا جہاد کیا۔ دیگر علماء نے بھی کیا سب کے نام مجھے یاد بھی نہیں۔ لیکن جتنے جید علماء برصغیر کے تھے وہ سارے مقابلے میں آگئے تو اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ بھی متاثر ہونے لگے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے اس سارے مخمصے کا جواب حضرت سید انور شاہ کشمیریؒ سے چاہا اور اُن کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضرت کہ یہ قادیانیت کے بارے میں مجھے کوئی بات سمجھایئے۔ ڈاکٹر اقبال پی ایچ ڈی تھے، فلسفے کے ماہر تھے، فلاسفر تھے۔ عالمی سطح کے مانے ہوئے فلسفی تھے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ اہل علم کے اور اللہ کے بندوں کی باتیں کیا ہوتی ہیں! اب کوئی ہمارے جیسا مولوی ہوتا تو وہ کسی آیت کا حوالہ دیتا، کسی حدیث کا حوالہ دیتا، کہیں سے کوئی قول نکالتا کہ یہ ہے، یوں ہے لیکن انہوں نے سادہ سا اک جملہ ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب اگر اور کسی کو نبی مان لیا جائے تو نبی کریم ﷺ کی انفرادیت ختم ہوجاتی ہے یعنی پھر حضور ﷺ کا مقام بھی وہی رہ جاتا ہے جیسے پہلے نبی دنیا میں آئے، دنیا سے تشریف لے گئے۔ اُن کے بعد پھر کوئی اور آ گیا۔ یہ حضور ﷺ کی انفرادیت ہے کہ قیامت تک نئے نبی کی ضرورت نہیں۔ ایسا کوئی نبی پہلے نہیں آیا جس کے بعد نبوت کی ضرورت نہ رہی ہو تو اگر اب ہم کسی کو نبی مان لیں تو حضور ﷺ کی انفرادیت تو ختم ہوگئی۔ چونکہ یہ فلسفی تھے تو بات ان کے دل میں اتر گئی کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ ممکن نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا، نبوت حضور ﷺ پر مکمل ہوگئی۔ بس اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔

فرمایا اپنے اس محبوب بندے ﷺ پر کتاب اُتاری جس میں قیامت آنے تک کی ہر بات کا جواب موجود ہے ہر ہدایت موجود ہے اور پھر اس کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جس نے نزول سے لے کر قیامت تک لوگوں کو کسی اور کتاب کی حاجت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَهٗ عِوَجًا (1) فرمایا اُس میں کوئی الجھاؤ نہیں ہے کوئی باتیں اُلجھی ہوئی نہیں ہیں۔ ہر بات عام فہم ہے۔ ایک عام کسان، ایک عام ان پڑھ آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ اس سے بات کرو، بات اس کی سمجھ میں بھی آجاتی ہے۔ یہ اُس کا دوسرا احسان ہے کہ ایسی کتاب کو اتنا آسان رکھا ورنہ کسی ایک موضوع پر آپ کتاب دیکھیں کہ اتنی مشکل ہیں کہ مغز کھپا دو تو بھی سمجھ نہیں آتیں اور بڑے ہی کوئی پائے کے عالم ہوں تو کوئی اس سے مطلب نکال لیں ورنہ عام قاری کو تو پتہ ہی نہیں چلتا۔ فرمایا

اسے اتنا آسان کردیا کہ اُس کی کسی آیت میں کوئی اُلجھاؤ نہیں ہے۔ قَيِّمًا بالکل ٹک سیدھا رکھنے والی کتاب ہے۔ آپ اس کے احکام پرعمل کرتے جائیں سب سے بہترین ذریعہ عمل یہی ہے۔ قَيِّمًا ، ٹک سیدھی۔کوئی اس میں کمی بیشی،کوئی نرمی،کوئی خطا،کہیں کوئی دھوکا،کچھ بھی نہیں، بالکل سیدھی لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ۔ اور انسان جو کوتاہیاں کرتا ہے عقائد میں خرابی کرتا ہے یا اعمال میں خرابی کرتا ہے اُس کا جو نتیجہ یوم حشر سامنے آئے گا یا بعد الموت سامنے آتا ہے اُس وقت انسان گھبراجاتا ہے یہ کیا ہوگیا۔ وہ سارا منظر یہ یہاں زندگی میں پیش کردیتے ہیں۔ یہ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان عظیم ہے کہ بندہ بے چارگی یا دھوکے میں نہیں مارا جاتا۔ اپنی بڑائی، اپنے گھمنڈ، اپنے تکبر یا اپنی غفلت سے مارا جاتا ہے۔ اُس نے یہ اہتمام کردیا ہے کہ اتنی عظیم الشان کتاب اتنے عظیم الشان نبی ﷺ پر نازل فرمائی، اور قیامت تک اُس کی حفاظت کا ذمہ بھی لے لیا۔ یہ تو اس کے بڑے احسان ہیں۔ اب اس کے باوجود اس کو کوئی پڑھے ہی نہیں، سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرے، تو یہ محرومی اُس کی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے چٹھی ہے انسانوں کے نام، ساری انسانیت کو دعوت دیتی ہے۔ اگر کسی کے پاس کسی غریب کا خط بھی آجائے اپنے سے کم تر کا خط بھی آجائے تو وہ اسے پڑھتا تو ضرور ہے کہ کیا ہے اس میں؟ اللہ کریم کی طرف سے اتنا عظیم الشان خط آئے جس میں کوئی کبھی کوئی کوتاہی نہ ہو، کوئی الجھاؤ نہ ہو تو بندہ ساری زندگی اُسے پڑھنے کا اور سمجھنے کا تکلف بھی نہ کرے تو پھر جرم کس کا ہے؟

فرمایا، بشارت ہے ایمان والوں کے لئے۔ آگے وضاحت فرمائی ایمان والے کون ہیں۔ وَ يُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ ایمان والے وہ ہیں جو عقائد و احکام پر عمل بھی کرتے ہیں يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ جو نیک کام کرتے ہیں۔ عمل صالح کیا ہے؟ جس عمل کا حکم قرآن نے دیا ہے جو عمل حضور ﷺ نے فرمایا ہے وہ صالح ہے جس سے حضور ﷺ نے روک دیا ہے اور جس سے قرآن نے منع کردیا ہے وہ غیر صالح ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں جو عمل بھی ہے وہ صالح ہے۔ نیند بھی عبادت ہے اگر سنت کے مطابق کی جائے۔ قتل کرنا بھی عبادت ہے اگر شرعی حکم کے مطابق کیا جائے۔ اگر اپنی خواہش نفس سے قتل کیا جائے تو یہ عظیم ترین جرم ہے۔ جہاں معاف کرنے کا حکم دیا ہے، صلح کا حکم دیا ہے وہاں صلح کرنا، معاف کرنا عبادت ہے۔ فرمایا، ایمان والے وہ ہیں جو اُس کے احکام پر عمل بھی کرتے ہیں حضور ﷺ کا اتباع کرتے ہیں، نیک کام کرتے ہیں۔ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا (2) اُن کو بھی یہ کتاب بھولتی نہیں ہے اُن کو بھی اخروی بہترین انعامات کی خوشخبری دیتی ہے۔ جرم کرنے والوں کو آخرت کی سزاؤں کی اطلاع دیتی ہے کہ یہ جرم چھوڑ دو ورنہ اس مصیبت میں جا پھنسو گے۔ نیکی کرنے والوں کو بشارت دیتی ہے کہ اس پر قائم رہو اس کے بڑے بڑے انعامات ہیں مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا (3) اور اس کے انعامات ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ تمہاری تو تھوڑی سی زندگی ہے۔

پچھلے دنوں میرے پاس ایک حضرت تشریف لائے تو بات ہوئی تو کہنے لگے ہمارا خاندان یہاں نونسلوں سے آباد ہے تو میں نے کہا نونسلوں کی تین صدیاں تین سو سال بنتے ہیں عموماً ایک صدی میں تین نسلیں گزر جاتی ہیں اس کا مطلب ہے آپ تین سو سال سے ہیں تو وہ فرمانے لگے کہ حضرت! اگر اس طرح انسانی نسلوں کا حساب کیا جائے تو دنیا کی عمر تو پانچ ہزار سال بنتی ہے، جب سے انسان آباد ہوا ہے۔ زمین تو پہلے کب سے آباد تھی یہ اللہ جانے۔ لیکن جب سے آدمؑ زمین پر تشریف لائے اور انسان آباد ہوا تو اس حساب سے کُل پانچ ہزار سال بنتے ہیں تو میں سوچ رہا تھا کہ پانچ ہزار سال بھی ہزار سال بھی کب بنتے ہیں یہ تو پانچ دن بنتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج:47) اللہ کے نزدیک آج کی گنتی کے مطابق ہزار سال کا ایک دن ہے تو پانچ ہزار سال تو پانچ دن بنے تو پانچ دنوں میں اتنی مخلوق گزر گئی۔ ہم بھی اسی میں شامل ہیں۔ ہم ایسے بیٹھے ہیں جیسے ہم نے یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اگر دنیا کی پہلی انسانی آبادی سے لے کر آج تک کی آبادی تک دنیا کی عمر پانچ ہزار سال ہے تو ہماری

زندگی تو پھر پانچ منٹ بھی نہیں بنتی۔ اُس حساب سے Calculation کی جائے تو ہمارے پاس تو پانچ منٹ بھی نہیں ہیں یعنی پانچ منٹ میں بھی ہم اللہ کی اطاعت نہیں کر سکتے ان چند لمحوں میں بھی گمراہ ہوجاتے ہیں اور برائیوں پہ آجاتے ہیں اور یہی حال ہوگا جب قیامت کو اٹھیں گے تو یہی حال ہوگا گویا کوئی پل ہی تھا، کوئی لمحہ ہی تھا۔ جو گزر گیا۔ پتہ نہیں ہم سے اس میں کیوں خطا ہوگئی۔ تو فرمایا آخرت کے جو انعامات ہوں گے جن کی خوشخبری یہ کتاب دیتی ہے مَّاكِثِينَ فِيهِ اَبَدًا (3) وہ ہمیشہ کے لئے ہوں گے۔ اُن میں زیادتی ہوگی، کمی نہیں ہوگی۔ انعام یافتہ لوگ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔

اور جو عقیدے کی خرابی کرتے ہیں جو کہتے ہیں اللہ کا بیٹا ہے۔ گمراہیاں تو اور بھی بہت ہیں۔ اللہ کے ساتھ مخلوق نے شریک بنالئے، بت بنالئے، انسانوں کو، جنوں کو، فرشتوں کو شریک کرلیا کہ فلاں بارش برساتا ہے، فلاں بیماری سے صحت دیتا ہے، فلاں روزی دیتا ہے لیکن ایک نکتہ ان سب کفریات میں سب سے شدید ہے جن لوگوں نے کہا کہ اللہ کا بیٹا ہے، یہ اتنا شدید کفر ہے، اتنا شدید کفر ہے کہ ہر طرح کے کفر و شرک سے یہ بڑھ کر ہے۔ اللہ کی صفات میں لوگوں نے شریک کیا یہ ذات باری پر سیدھا الزام آتا ہے ذات کو تقسیم کرنے کی بات ہے۔ فرمایا، یہ کتاب ایسے لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے انہیں بڑا ڈراتی ہے کہ ایسا نہ کہو، بہت جرأت ہے یہ بہت بڑا جرم کر رہے ہو۔ تم بہت بڑی گستاخی کر رہے ہو تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل بھی نہیں۔ اللہ کریم کی اولاد مانتے ہو تو کیا ساری کائنات میں لوگوں کی کتنی اولادیں ہیں، نسلیں کب سے چل رہی ہیں، آدمؑ سے، نوحؑ سے لے کر آج تک، تو پھر اللہ کی نسل کیوں نہ چلی، کدھر گئے۔ یعنی اللہ کریم کا صرف ایک ہی بیٹا مانتے ہو اور پھر وہ سلسلہ ختم ہوگیا؟ اللہ کریم تو موجود ہیں تو اور اولاد کہاں ہے؟ یہ تو عام آدمی کی بات ہے تمہاری بات تو نری جہالت ہے۔ اس میں کوئی علمی دلیل نہیں ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مخلوق کی نسل تو باقی رہے اور خالق کی نسل ختم ہوجائے۔ یہ عجیب بات ہے۔ بنانے والے کی اگر نسل ہے اولاد ہے تو پھر آج بھی تو کوئی ہونا چاہئے۔ یہ جاہل ہیں، جہالت کی بات کرتے ہیں، ان کو علم ہی نہیں ہے۔ وَّ لَا لِاٰبَآئِهِمْ اور نہ ان کے باپ دادوں کے پاس کوئی علم تھا کہ آج تک اس پر انہوں نے کوئی علمی دلیل قائم کی ہو۔ ان کے پاس کوئی علمی دلیل ہی نہیں ہے 'كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ یہ بہت بھاری گناہ کی بات ہے۔ جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ معمولی انسان ہیں چند لمحے ان کی زندگی کے ہیں اور یہ اللہ کریم کی ذات پر الزام لگا رہے ہیں۔ ایسے بے وقوف ہیں۔ بہت بڑی گستاخی ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (5) اور یہ یقینی بات ہے کہ یہ محض جھوٹ بول رہے ہیں اُن کے پاس نہ عقلی نہ نقلی، کوئی دلیل ہے ہی نہیں یہ محض جھوٹ بول رہے ہیں۔

قرآن حکیم کی انہی باتوں سے تو مغرب کی دنیا چڑتی ہے اور ناراض ہوتی ہے کیونکہ قرآن لگی لپٹی تو رکھتا نہیں قَيِّمًا سیدھی بات کہتا ہے اور پھر وہ انہیں کڑوی لگتی ہے اور پھر وہ مسلمانوں کے خلاف حیلے کرتے ہیں۔ اور پھر تیسری بات یہ ارشاد فرمائی "فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ" میرے حبیب ﷺ! یہ کفر کرتے ہیں، شرک کرتے ہیں، لوگوں پر ظلم کرتے ہیں ان کا مال چھینتے ہیں، عزتیں لوٹتے ہیں، جانیں لیتے ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ بتوں کو، مخلوق کو، خالق کی صفات میں شریک کرتے ہیں اور انہوں نے تو حد ہی کردی کہ اللہ کی اولاد مان بیٹھے کہ اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ تو حد سے ہی گزر گئے۔ ان کا یہ کردار ہے اور آپ اُن کے لئے اتنے دکھی ہوتے ہیں گویا جان ہی دے دیں گے۔ "فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ" ان کے کرتوتوں پر آپ ﷺ اتنے دکھی ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کو یہ دکھ ہوتا ہے کہ میری بعثت کے بعد یہ لوگ دوزخ میں کیوں جائیں کوئی ایسا طریقہ ہو یہ، بچ جائیں، ہدایت پالیں اور اللہ کی رضا کو حاصل کرلیں۔ سبحان اللہ! نبی کریم ﷺ کے مزاج مبارک پہ قرآن گواہی دے رہا ہے کہ آپ ﷺ کو کفار کے ہدایت نہ پانے کا دُکھ بھی اتنا ہوتا ہے کہ گویا آپ جان دے دیں گے۔ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى

اثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا (6) اگر یہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو آپ ﷺ کو اتنا دُکھ ہوتا ہے کہ گویا بندہ جان ہی دے دے گا۔ اس بات پر اللہ کریم حضور ﷺ کی تسلی فرمارہے ہیں۔

یہ دنیا کا نظام ہے۔ اسے ہم نے ایسے ہی بنایا ہے۔ ایک دھوکہ ہے، زینت ہے دنیا کی۔ مال و دولت، اقتدار یہ دنیا کی زیب و زینت کے لئے ہے۔ یہ امتحان ہے۔ کوئی اس میں پھنس جاتا ہے جو اس میں نہیں پھنستا پھر دنیا کا مال بھی اُس کے پاس ہو حکومت بھی ہو وہ پھر بھی اطاعت الٰہی سے نہیں نکلتا۔ تو یہ اللہ کریم کا اپنا نظام ہے۔ کسی کے پاس دولت نہیں ہے تو وہ بھی تو گمراہ ہو سکتا ہے۔ کتنے غریب بھی تو گمراہ ہیں۔ ضروری نہیں کہ امیر ہی گمراہ ہو، غریب بھی گمراہ پھرتے ہیں اور بے عمل پھرتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت نہیں کرتے تو یہ ایک آزمائش رکھی ہے اللہ نے کہ دنیا کو اُس نے خود سجایا ہے۔ دنیا کم خوبصورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے بنائی ہے اور سجائی اور اس درجہ سجائی ہے کہ ایک آزمائش ہے کہ کوئی میری طرف آتا ہے یا مجھے بھی چھوڑ کر دنیا کی طرف جاتا ہے۔ پھر دنیا کی لذتیں، دنیا کی زیب و زینت، دنیا کا مال، دنیا کے اقتدار میں اتنی دلچسپی، اتنی خوبصورتی، اتنی چمک دمک ہے کہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تو میرے حبیب ﷺ! آپ اس کا دُکھ نہ کریں۔ یہ انتخاب میں نے بندوں کو دیا ہے۔ کسی نے زبردستی ان کو گمراہ نہیں کیا۔ ان کے پاس اختیار ہے آج بھی توبہ کرلیں۔ میں انہیں قبول کرلوں گا۔ آج بھی آپ ﷺ کی غلامی میں آجائیں۔ ان کے سارے گناہ معاف کردوں گا۔ آج بھی آپ ﷺ کے در پہ آئیں، توبہ کریں اور آپ ﷺ ان کے لئے دعا کریں تو سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا لیکن یہ آنا نہ چاہیں تو یہ میرا فیصلہ ہے کہ انہیں زبردستی نہ آپ ﷺ لاسکتے ہیں نہ کوئی اور۔ یہ فیصلہ ان کا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کو اتنا دُکھ ہوتا ہے کہ کافر کیوں کفر پہ مرے گا کاش یہ بچ جاتا اور پھر وہ کسی نے کیا خوبصورت کہا ہے کہ

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

کیا شان ہے آپ ﷺ کی کہ دشمنوں کے دُکھ میں گھلے جارہے ہیں تو پھر دوستوں کو، ماننے والوں کو، اتباع کرنے والوں کو، آپ ﷺ کب محروم کرتے ہیں۔ کیا بحر کرم ہے آپ کا!۔ کیا شان عالی ہے! کہ آپ ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ ہر ایک پر آپ ﷺ کی نظر کرم ہے۔ اب کوئی اس نظر سے چھپنا چاہے، سامنے نہ آنا چاہے تو یہ اُس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ تو فرمایا، میرے حبیب ﷺ! آپ اتنا دُکھ نہ کیجئے۔

ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ حضور اکرم ﷺ کتنا دکھ محسوس کرتے تھے اس بات کا کہ اللہ کریم کہہ رہے ہیں کہ آپ ﷺ تو اتنا دُکھ لیتے ہیں گویا جان ہی دے دیں گے۔ یہ محاورہ نہیں ہے اللہ کریم کا کلام ہے۔ حقیقت ہے تو جو ہستی گمراہوں کی گمراہی کے لئے اس قدر دُکھ سہتی ہے اطاعت گزاروں پہ کتنی کریم ہوئی! اب یہ تو ہمارا کام ہے کہ ہم حضور ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں یا رسومات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ تو ہمارا ہے۔ اللہ کریم نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ہر انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ کدھر جانا چاہتا ہے۔ اگر کوئی آپ ﷺ کا دامان رحمت نہیں تھامنا چاہتا تو چھوڑ کر بھی دیکھ لے۔ اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَى الۡاَرۡضِ زِيۡنَةً لَّهَا جو کچھ زمین پر ہے یہ ہم نے دنیا کو، زمین کو، سجانے کے لئے بنایا ہے اس میں زر و جواہرات ہیں، اس میں زمینیں، اور جائیدادیں اور جاگیریں ہیں، اس میں دریا، اور نہریں اور چشمے ہیں، اس میں طرح طرح کے درخت، پودے، پھل اور پھول ہیں، اس میں دولت، ہیرے جواہرات، سونا، چاندی ہے، اس میں حکومت، اقتدار، بادشاہت ہے، یہ سب دنیا کی زینت ہے، ملمع کاری ہے، یہ مستقل رہنے والی چیز نہیں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں مخلوق کے پاس آرہا ہے جا بھی رہا ہے۔ بڑے بڑے صاحب اقتدار جیلوں کی نذر ہو گئے اور راہ گزرتے لوگ بادشاہ بن گئے۔ اس میں تغیر و تبدل جاری ہے اور پھر جب موت آتی ہے تو محل ہوں یا قلعے، جائیدادیں، جاگیریں، گاڑیاں ہوں یا سونا چاندی وہ کس کام کا؟ موت آئی تو بندہ ہر چیز چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اس کا سانس نکل گیا تو مال وارثوں کا ہو گیا۔ اُس کا رہا ہی نہیں۔ جو کچھ ساری زندگی اُس نے

جمع کیا تھا در ثا کا ہو گیا۔ اس کا اب کچھ بھی نہیں۔ وہ تو وہی ایک ٹکڑا کفن کا لے کر دنیا سے چلا گیا۔ باقی اُس کے اعمال ہیں، وہ ساتھ ہیں۔ اچھے ہیں یا بُرے، دنیا کی کوئی چیز ساتھ نہیں گئی۔ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا دنیا پر جو کچھ بھی ہے یہ دنیا کی حسن وخوبصورتی بنانے کے لئے ہے۔ اب دیکھیں مقابلہ یہ تھا کہ ایک طرف رُخِ انورِ پروردگارِ عالی ہے اور دوسری طرف دنیا ہے۔ بندے پر انتخاب ہے کہ وہ کس کو چنتا ہے۔ تو اگر دنیا بھی اُس کے ساتھ ہے لیکن جائز طریقے سے کمائی ہے، اللہ کی اطاعت، دنیا کے ہوتے ہوئے کرتا ہے تو یہ بہت بڑا ثواب ہے۔ اگر اللہ کی راہ میں دنیا چھوڑنی پڑتی ہے تو یہی اصحاب کہف نے کیا تھا نا! بڑے بڑے امراء کے گھروں کے نوجوان تھے، رؤسا کے بیٹے تھے! توحید پر رہنے کے لئے انہوں نے سارے آرام، ساری سہولتیں، ساری دنیا تج دی اور غار میں جا کر بیٹھ گئے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ اُس نے اُن پر ایسی میٹھی نیند مسلط کر دی کہ وہ مزے لیتے رہے انہیں دنیا کی ضرورت ہی نہ رہی۔ سوئے ہوئے بندے کو نہ پیاس کی ضرورت ہوتی ہے نہ کھانے کی ضرورت ہوتی ہے نہ حوائج ضروریہ سے فراغت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا کی ضرورتیں ختم ہو جاتی ہیں اور سویا ہوا زمین پر ہو یا شاہی محل میں ہو جب نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں تو شاہی محل والا بھی ایسے ہی غافل ہو جاتا ہے جیسے فقیر زمین پر پڑا ہوا غافل ہو جاتا ہے۔ ایک جیسے ہو جاتے ہیں تو فرمایا، انہوں نے کفر کے مقابلے میں میری توحید کو ترجیح دی اور جو کچھ ان کے پاس تھا انہوں نے توحید پر تج دیا۔ میں اتنا کریم ہوں، میں نے انہیں دنیا کی کسی چیز کا محتاج ہی نہیں رہنے دیا کہ انہیں پانی کی حاجت پیش آئے، کھانے کی حاجت پیش آئے، لباس کی حاجت پیش آئے۔ چھت کی حاجت پیش آئے۔ میں نے اُسی غار میں اُن کو اتنی مزے کی نیند دے دی کہ وہ صدیوں سوتے رہے۔ نہ اُن کا لباس پھٹا نہ اُن پر بارش برسی نہ اُن پر دھوپ آئی۔ ہر چیز کو پابند کر دیا کہ انہیں موج میں رہنے دو۔ تو یہ قصہ بیان کرنے سے پہلے رب جلیل نے اس کا ماحصل اور نتیجہ بیان فرما دیا کہ کہ اصحاب کہف لوگوں کی ہدایت کا سبب بنے اور لوگوں کو سمجھ آئی کہ محض دنیوی لذتوں کے لئے اللہ کی نافرمانی کرنا بڑا گھاٹے کا سودا ہے اور دنیا کو اللہ کے مقابلے میں قربان کرنا یہ بہت بڑی لذت کی اور بہت بڑے نفع کی بات ہے۔

اس کا ہو گا کیا؟ وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا (8) یہ جو دنیا کی زیب و زینت ہم نے بنائی ہے۔ مال و دولت، حکومت واقتدار، بادشاہتیں، جائیدادیں۔ ایک دن آ رہا ہے یہ کچھ بھی نہیں رہے گا۔ ہم ساری زمین کو ٹھوک ٹھاک کر صاف چٹیل میدان کر دیں گے۔ نہ کوئی محل ہو گا نہ بینک ہو گا، نہ دولت ہو گی نہ بینک بیلنس ہو گا نہ کسی کے پاس لباس ہو گا نہ گاڑیاں ہوں گی کچھ نہیں ہو گا۔ وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا (8) جو کچھ زمین پر ہے اس سب کو فنا کر کے ہم زمین کو صاف میدان بنا دیں گے۔ لوگ چھوڑ چھاڑ کر چلے جائیں گے۔ نئے آنے والے اسے لپیٹتے جائیں گے۔ بالآخر سب کچھ فنا ہو جائے گا۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا (9) آپ کیا خیال کرتے ہوئے مخاطب! یہ غار والے اور پہاڑ والے، رقیم والے، ہمارے عجائبات قدرت میں سے عجیب تھے۔ فرمایا چند انسانوں کو تین صدیاں کھائے پئے، بیٹھے اُٹھے، چلے پھرے، جاگے بغیر اسی طرح صحت مند زندہ رکھنا یہ تمہیں بڑا عجیب لگتا ہے تو یہ ساری کائنات کو میں نے کب سے بنایا اور ذرے ذرے کو قائم کر رکھا ہے یہ تمہیں عجیب نہیں لگتا؟ یہ تین سو سال تک ان کا سویا رہنا، لباس کا درست رہنا، جسم کا صحیح رہنا، کوئی خرابی نہ ہونا، گرمی سردی کا کوئی اثر نہ ہونا، کوئی زکام نزلہ نہ ہونا، کوئی بیماری نہ آنا، کوئی کسی قسم کی احتیاج نہ رہنا کہ پانی اور کھانے پینے کی ہر چیز سے میں نے انہیں بے نیاز کر دیا تھا یہ تو تم لوگوں کو بڑا عجیب لگتا ہے لیکن کیا یہ ساری کائنات کب سے میں نے بنائی ہے، کب تک چلاؤں گا، اس کی سمجھ تمہیں نہیں آتی؟ صرف تین، چار افراد یا پانچ افراد یا سات آٹھ تھے ان کا قائم رکھنا تمہیں عجیب لگتا ہے اور اتنی کائنات کا، زمینوں آسمانوں کی اور اس کی مخلوق کا قائم رکھنا، اس پر غور کیوں نہیں کرتے، میری عظمت کو قبول کیوں نہیں کرتے ہو،

میری اطاعت کیوں نہیں کرتے ہو، یہ سب تمہیں نظر نہیں آتا کہ اسے کس نے قائم کر رکھا ہے، انسان، حیوان، چرند، پرند کتنے جن، انسان، کتنی مخلوقات زمینی، آسمانی، سمندری، آبی، صحرائی، کتنی مخلوق ہے۔ ہر مخلوق کو اُس کی ہر ضرورت پہنچانا اور اسے قائم رکھنا تو میری عظمت اور میری شان ہے تمہیں یہ نظر نہیں آتی؟ سوال کرنے والوں سے ارشاد ہو رہا ہے کہ تمہیں یہ چند انسانوں کو قائم رکھنا تو بڑا عجیب لگا لیکن اتنی وسیع کائنات کو جسے میں نے قائم کر رکھا ہے یہ تمہیں میری عظمت کی دلیل نظر نہیں آتی؟

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (10) یہ چند نوجوان تھے۔ جب انہیں بادشاہ نے مجبور کیا کہ دین چھوڑ دو اور ہمارے ساتھ کفر و شرک میں شامل ہو جاؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے تو انہوں نے دین کی بجائے یہ ساری خوبصورت دنیا چھوڑ دی۔ مال و دولت، زر و جواہر، اقتدار و اختیار، عیش و عشرت، سب کو تج کر وہ ایک غار میں چلے آئے۔ جب غار میں پناہ لی تو فَقَالُوْا انہوں نے عرض کیا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (10) اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ ہی ہو سکتا ہے۔ ہم نے کفر و شرک اور بے دینی پر تیری عظمت کو ترجیح دی اور سب کچھ چھوڑ کر، اب ہمارے پاس نہ کھانا ہے نہ پانی ہے، نہ لباس ہے نہ بستر ہے، نہ گرمی سردی بارش کا کوئی بچاؤ ہے ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تیری بارگاہ میں آئے ہیں اور ہمارا انتظام کرنا تیری شان ہے۔ تو ہمیں قبول فرما۔ ہماری قربانی کو قبول فرما اور هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (10) رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ہم کو اپنے دامانِ رحمت میں پناہ دے۔ اور ہمارے جینے کے سارے اسباب اب تو مہیا فرما۔ اب ہمارے بس میں کچھ نہیں ہے۔ یہاں نہ مزدوری کر سکتے ہیں، نہ ملازمت کر سکتے ہیں، نہ کھیتی باڑی کر سکتے ہیں، نہ ہمارے پاس کوئی چیز نہ سامان، نہ لباس، نہ کھانا، نہ پانی، یہ غار ہے ہم ہیں۔ تو اللہ ہمارے اس آنے کو قبول فرما، ہمیں اپنے دامانِ رحمت میں لے لے اور ہمارے یہ سارے کام بھی درست کر دے۔ اُس نے انہیں اپنے جوارِ رحمت میں بھی لے لیا اور دنیا کی ساری ضرورتوں سے بھی فارغ کر دیا۔

یہاں مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ دعا مانگنے کا سلیقہ یہ ہے کہ خود کو ذاتی خواہشات و مفادات سے بالا کر کے اللہ کی بارگاہ میں پناہ لے لو۔ مکمل اطاعت الٰہی اختیار کر لو پھر جب ہاتھ اُٹھاؤ گے تو وہ خالی واپس نہیں آئیں گے۔ یہ مکر اللہ سے نہیں چلتے کہ سارا دن تم جرم کرو، خلافِ شریعت، خلافِ سنت کام کرو اور شام کو بیٹھ جاؤ بڑے رو رو کر دعائیں کرنے۔ فرمایا یہ مکر اللہ کے نزدیک نہیں چلتے کہ چوری کرو، ڈاکے ڈالو، اس کی مخلوق کو قتل کرو۔ لوگوں کے مال لوٹو اور پھر ایک جگہ اکٹھے ہو کر دعا کرو۔ لوگ کہیں کہ بڑی رقت آمیز دعا کی تھی۔

فرمایا اس رقت آمیزی کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے ساتھ دھوکے مت کرو۔ دنیا سے اپنا دامن چھڑا کر اُس کی اطاعت کی پناہ میں آ کر پھر دعا کرو تو تمہاری دعا سنی بھی جائے گی اُس کا جواب بھی آئے گا انہوں نے دعا کی تو یوں قبول ہوئی کہ جب یہ شہر سے نکلے تو راستے میں کوئی آوارہ کتا پھر رہا تھا جیسے کتوں کی عادت ہوتی ہے، وہ ان کے پیچھے چل پڑا انہوں نے دعا کی اللہ ہمیں دنیا کے اسباب سے بچا اور ہمارا سامان زیست اب تو خود ہی مہیا کر۔ ہمارے پاس تو کچھ نہیں۔ اپنی رحمت میں لے لے۔ تین سو سال وہ سوئے رہے اور تین سو سال وہ کتا بھی بیٹھا رہا اور صحیح سلامت رہا۔ ان کا کتا دروازے پر بازو پھیلا کر بیٹھ گیا یہ تین سو سال سوئے رہے اور تین سو سال وہ بھی سویا رہا اور اللہ نے اسے کھانے پینے سے بھی استثنا دے دیا۔ دنیوی حاجات سے بھی بچا لیا اور زندگی بھی دے دی۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے خالص مخلص نیک بندوں کے پاس بیٹھا بھی جائے تو اللہ قبول فرما دیتا ہے۔ کتنا کریم ہے وہ! کہ کتے کو بھی حیات دے دی۔ تین سو سال تک کتے کا بھی کوئی پہلو گلنے نہیں دیا۔ کسی کیڑے مکھی کو اسے ڈسنے نہیں دیا۔ کوئی بال جلد خراب نہیں ہونے دی۔ اسے کوئی بھوک پیاس نہیں لگنے دی اسے ہر چیز سے بچا کر ویسے ہی سلامت رکھا۔ اُن کا کتا بھی صدیوں تک اسی طرح ہاتھ پھیلا کر بیٹھا ہوا تھا دروازے پر۔ یہ ہوتا ہے دعا کا اثر! لیکن دعا خالص اللہ کی اطاعت

کر کے کی جائے۔ جرائم کرتے رہنا، برائی کرتے رہنا، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہنا، مکر کرنا۔ آنسو، بہا بہا کر دعائیں کرنا گستاخی ہے۔

آج اکیسویں صدی عیسوی جاری ہے۔ اکیسویں صدی عیسوی میں سائنس نے یہ تحقیق کی ہے کہ نیند کا تعلق آنکھوں سے نہیں کانوں سے ہے۔ یہ جدید ترین تحقیق ہے کہ نیند کا تعلق آنکھوں سے نہیں کانوں سے ہے۔ ہم آنکھیں بند کرتے ہیں نیند آ گئی۔ ذرا بھی آواز کانوں میں آئی تو نیند کھل جاتی ہے۔ تو آج کی جدید سائنس کہتی ہے کہ نیند کا تعلق کانوں سے ہے۔ کانوں پر ایک غلاف سا آ جاتا ہے۔ کان جب شور نہیں سنتے تو سکون ہو جاتا ہے۔ آنکھیں بھی بند ہو جاتی ہیں۔ نیند آ جاتی ہے لیکن کتنی گہری نیند ہو اور ذرا سا دروازہ کھٹکھٹائیں تو وہ آنکھوں کو تو متاثر نہیں کرتا اُس کی آواز تو کان میں جاتی ہے، نیند کھل جاتی ہے۔ قرآن کریم آج سے چودہ سو سال پہلے بتا رہا ہے کہ ہم نے اُن کے کانوں پر نیند کا پردہ ڈال دیا جو بات آج اکیسویں صدی کی سائنس کہہ رہی ہے یہ بات قرآن کریم آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے فرما رہا ہے کہ ہم نے اُن کے کانوں پر نیند کا پردہ ڈال دیا ہے۔ ہے نا اللہ کا کلام؟ اُس وقت تو نہ یہ سائنس تھی نہ یہ حالات تھے نہ یہ تحقیقات تھیں نہ یہ چیزیں تھیں۔ صحرائے عرب میں بیٹھا ہوا اللہ کا حبیب ﷺ اللہ کی کتاب سنا رہا ہے اور کتاب بتا رہی ہے کہ اللہ فرماتا ہے، ہم نے اُن کے کانوں پر نیند کا پردہ ڈال دیا ہے۔ "کانوں پر نیند کا پردہ" یہ قرآن نے کہا اور اکیسویں صدی میں اب سائنس کہتی ہے کہ نیند کے وقت ایک غفلت کا پردہ کانوں پہ آ جاتا ہے تو کوئی Disturbance نہیں ہوتی۔ آواز نہیں آتی تو آنکھیں بھی بند ہو جاتی ہیں، نیند آ جاتی ہے اور جتنی گہری نیند ہو آواز دے دیں کان کھل جائیں تو نیند کھل جاتی ہے۔ پہلے تو کسی نے یہ نہیں سوچا کہ قرآن نے ایسا کیوں کہا اب جب سائنس نے یہ بات کی تو اب پتہ چلتا ہے کہ قرآن نے حق بیان کیا، کتنی حقیقت بیان کی تھی فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا (11) مدتوں اُس غار میں سالہا سال، ہم نے ان کے کانوں پر نیند کا پردہ ڈال دیا ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا (12) پھر ہم نے اُن کو جگا اُٹھایا کہ پتہ چلے اب انسانوں کو، کس کو یقین ہے یا نہیں ہے کہ اتنا عرصہ وہ پہلے وہ غار میں گئے تھے۔ اتنا عرصہ کیسے رہے، کس طرح رہے اور لوگ اس نتیجے پر پہنچیں کہ اللہ قادر ہے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

☆☆☆

خوشخبری

دار الحفاظ کا قیام

تعصب، فرقہ بندی اور ہر قسم کی مار پیٹ سے پاک ماحول میں شیخ المکرّم کی صحبت میں معیاری حفظ قرآن کی تکمیل کے لیے دار العرفان منارہ، چکوال میں بورڈنگ اور میسنگ کی سہولت کے ساتھ دار الحفاظ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اپنے بچوں کو مستند، خوش الحان قاری صاحب کی زیر نگرانی حفظ قرآن کرانے کے لیے فوری طور پر داخل کروائیں۔

داخلے جاری ہیں

رابطہ 0343-1723618, 0543-562200

ضرورت رشتہ

دو بہنیں جن کی عمر 27، اور 28 سال ہے، تعلیم ماسٹرز کیا ہوا ہے، کے لئے سلسلہ عالیہ، خاص کر کراچی کے رہائشی اشخاص کا رشتہ درکار ہے۔

مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کریں 0300-3716792

0321-2492757

ضرورت رشتہ

لڑکا، ویٹرنری ڈاکٹر، عمر 34 سال اور تین بہنیں، عمر 30 سال تعلیم میٹرک، عمر 28 سال تعلیم ایم اے، عمر 27 سال تعلیم ایف اے کے لئے موزوں رشتہ درکار ہیں۔ سلسلہ عالیہ سے منسلک حضرات کو ترجیح دی جائے گی۔

خواہشمند حضرات اس نمبر پر رابطہ کریں 0347-8552330

12 جولائی 2012ء

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اُن کے جواب

سوال: زمانے کے مختلف ادوار سے جن انبیاء کرامؑ کا تعلق ہے وہی انبیاءؑ سالک کے لطائف پر تربیت فرماتے ہیں۔ اس مماثلت پر بحث فرمائیے؟

جواب: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں تین درجوں کے حضرات ہیں۔ ایک وہ حضرات جو نبی علیہم السلام ہیں دوسرے وہ حضرات جو نبی اور رسول علیہم السلام ہیں۔ اور پھر ان میں وہ حضرات جو اولوالعزم ہیں۔ یہ قدرت کا اپنا نظام ہے کہ اس کائنات میں چیزیں ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہیں۔ تمام رُسل علیہم السلام وہ حضرات ہیں جن پر احکام بھی نازل ہوتے رہے، کتابوں یا صحیفوں کی صورت میں۔ نبی علیہم السلام وہ حضرات ہیں جنہوں نے پہلے سے جاری دین میں مبعوث ہو کر اُسے آگے پہنچایا۔ اور اولوالعزم اُن میں وہ حضرات علیہم السلام ہیں جو نور نبوت کی بنیاد ہیں۔ اور اس سارے نظام کی بنیاد ہیں آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔ پھر آپ ﷺ کے ساتھ پانچ اولوالعزم رسول ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی ذات کا شمار کیا جائے تو چھ اولوالعزم رسولؑ ہیں۔ یہ پانچ وہ ہستیاں ہیں جو براہ راست حضور اکرم ﷺ سے فیض لیتی ہیں اور آگے انبیاءؑ تک پہنچانے کا سبب بنتی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء ہیں اور پانچ اولوالعزم رسول وہ ہستیاں ہیں جن سے ہر ولی کو بھی فیضِ نبوت پہنچتا ہے۔ یہ اللہ کریم کا اپنا ایک نظام ہے۔ کائنات کا سارا نظام کسی نہ کسی چیز سے مربوط ہوتا ہے اور ایک چیز سے دوسری چیز تک اس کا اثر پہنچتا ہے۔ جیسے گٹھلی سے درخت بنتا ہے لیکن تب، جب بارش برستی ہے یا پانی پہنچتا ہے، پھر اس سے زمین کے اجزاء ملتے ہیں، پھر اُسے سورج کی تپش پہنچتی ہے تو بہت سے عوامل مل کر اس گٹھلی سے پودا نکلنے کا سبب بنتے ہیں۔ دنیا عالمِ اسباب ہے اور یہ اللہ کریم کے اپنے نظام ہیں۔ اسی طرح دل کی دنیا میں یا باطنی دنیا میں جو کیفیات ہیں ان کا منبع ومرکز، کائنات کے اور اللہ کریم کے درمیان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ آپ ﷺ سے اولوالعزم رسل علیہم السلام برکات حاصل کرتے ہیں پھر اُن سے تمام انبیاء ورسل علیہم السلام حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ لطائف کے ساتھ انہی اولوالعزم انبیاءؑ کا تعلق ہے جن کی وساطت سے ہر لطیفے پر برکات نبوت پہنچتی ہیں اور پھر براہ راست حضور ﷺ کے انوارات پانچویں لطیفے پر آتے ہیں۔

سوال: نسبتِ اویسیہ میں صحبتِ شیخ کا کیا مقام ہے؟

جواب: صرف نسبتِ اویسیہ میں نہیں، تمام سلاسل میں صحبتِ شیخ اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔ اور ایک جملہ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''سگِ حضوری بہتر از ملک دوری'' دور رہنے والا کوئی بہت پارسا بھی ہو تو اتنی برکات حاصل نہیں کرتا جتنی سامنے رہنے والا حاصل کر لیتا ہے اگرچہ وہ اس سے کم عابد وزاہد ہو۔ صحبت کا فیض اور توجہ کئی طرح سے ہوتی ہے۔

اللہ کریم نے دوزخ کی سزاؤں میں جو بہت بڑی سزا ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ دوزخی چلائیں گے، دوزخ کے فرشتوں سے کہیں گے کہ اپنے ربّ سے کہو کہ ہماری سزا میں سے ایک دن تو کم کردے، ایک تو چھٹی آجائے۔ تو وہ کہیں گے تمہارے پاس انبیاء ورسل علیہم السلام آئے تھے، تم نے ان کی بات نہ مانی، اب اللہ کو خود پکارو۔ تو وہ پکاریں گے۔ فرمایا: وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (الرعد:14) لیکن کافروں کی دعا ضائع جائے گی، سنی نہیں جائے گی۔ یعنی اللہ کریم

اگر سن بھی لیتے، سننے سے مراد ہے ادھر توجہ فرماتے تو سننا بھی متوجہ ہونا ہے، تو ذاتِ باری جس طرف بھی توجہ فرماتی، برکات تو کچھ نہ کچھ پہنچتیں۔ اس طرح بارگاہِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کوئی عرض کرتا ہے، حضور ﷺ جواب نہ بھی ارشاد فرمائیں، جب اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کی درخواست سنتے ہیں تو ایک توجہ نصیب ہو جاتی ہے۔ اگر کچھ ارشاد فرماتے ہیں تو کئی گناہ زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس طرف نظر فرماتے ہیں تو اس سے بھی توجہ نصیب ہو جاتی ہے۔ ایک نظر سے اک بندہ صحابیؓ بن جاتا تھا۔ تو شیخ چونکہ برکاتِ نبوت کا امین ہوتا ہے تو صحبت شیخ سے مراد ہے شیخ کی حضوری میں رہنا۔ آپ کا یہ جو چالیس دن کا پروگرام ہے یہ سارا صحبت شیخ کا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر وقت بندہ سامنے بیٹھا ہو، ہاں! یہ ضروری ہے کہ شیخ کے علم میں ہو اور وہ قلبی طور پر، ذہنی طور پر اس کی طرف متوجہ ہو۔ اس پر زیادہ وضاحت طریق السلوک میں دے دی گئی ہے۔ مطالعہ کی عادت بھی ڈالیں۔ کم از کم سلسلے کی جو کتابیں تربیت کے لئے شائع ہوتی ہیں انہیں ضرور پڑھا کریں۔ تو صحبت پاس بیٹھنا بھی ہے، شیخ کا متوجہ ہونا بھی ہے، بات کرنا بھی ہے۔ بات کرنے میں نگاہ بھی اس طرف متوجہ ہوتی ہے ذہن بھی اور دل بھی۔ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کا خط لکھنا بھی ایک بڑی توجہ ہے کہ شیخ کا دل، ذہن بھی اس طرف متوجہ ہوتا ہے اور ہاتھ بھی اس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لکھتا بھی ہاتھ سے ہے اور نگاہ بھی اس طرف متوجہ ہوتی ہے تو کئی طرح کی توجہات اس خط میں بھی شامل ہوتی ہیں۔ میرے پاس میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے خطوط کی دو فائلیں ہیں۔ آج بھی جب کوئی نامہ گرامی پڑھ لیا جائے تو وہ کیفیت نصیب ہو جاتی ہے جو صحبت میں ملتی تھی۔ سیاہی پرانی ہو جائے، کاغذ پرانا ہو جائے لیکن وہ برکات و توجہ پرانی نہیں ہوتیں۔

سوال: کنوزِ دل میں لفظ صدقِ مقال سے کیا مراد ہے؟

جواب: صدقِ مقال ایک لفظ ہے۔ مقال، قال، یقال بات کرنا سے ہے۔ صدق کے معنی سچائی یعنی۔ بات سچی کریں، اس میں آمیزش نہ ہو۔ سچ وہ ہوتا ہے جو ہر طرح کی آلودگی سے پاک ہوتا ہے۔ ایک بات سچی ہے لیکن کوئی کسی کو بھڑکانے کے لئے بتاتا ہے کہ فلاں شخص نے تمہارے بارے یہ کہا۔ اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ بات سن کر بھڑک اٹھے اور لڑائی شروع ہو جائے۔ تو یہ سچ ہونے کے باوجود وہ سچ ہے جو دل کو میلا کرتا ہے۔ اگرچہ وہ بات سچی ہے لیکن اس نے اس سچ کو لڑائی بڑھانے کے لئے استعمال کیا تو دل پر کدورت آئے گی۔ سچ وہ ہوتا ہے جس میں بات بھی سچی ہو اور نیت بھی کھری ہو، ایسی بات صدق مقال ہے۔ یعنی کوئی بات جو آپ کرتے ہیں اس میں کوئی بہتری مقصود ہو۔ محض واقعہ کا سچا ہونا صدقِ مقال نہیں ہوتا۔ جب وہ بات آپ نقل کرتے ہیں تو اس سے مقصود بھی کوئی بہتری ہو۔

سوال: نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: الراشی والمرتشی کلھما فی النار او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنمی ہیں۔ آج فی الوقت رشوت کا نام فیس رکھ دیا گیا ہے۔ سرعام سودے کئے جاتے ہیں۔ اپنا جائز کام لینا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ جائز حق حاصل کرنے والے کیا کریں؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: رشوت کئی طرح سے ہوتی ہے۔ ہم صرف پیسے کو رشوت کہتے ہیں۔ پیسے دے کر وہ چیز حاصل کرنا جو آپ کا حق نہیں ہے یہ رشوت ہے۔ کسی سے سفارش کروا کر وہ چیز حاصل کرنا جو آپ کا حق نہیں ہے، یہ بھی رشوت ہے۔ اور کئی حیلے بہانے، جو کئے جائیں یا کسی کے پاس کوئی عہدہ ہے اُسے استعمال کر کے وہ چیز حاصل کر لیتا ہے جو اس کا حق نہیں ہے تو یہ سارے رشوت کے مختلف انداز ہیں۔ اور حضور عالی ﷺ کا ارشاد ہے کہ رشوت دینے والا بھی جہنمی اور لینے والا بھی جہنمی ہے۔ رشوت دینے والا اس لئے جہنمی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا حق نہیں ہے۔ اُسے حاصل کرنے کے مختلف حیلے اختیار کرتا ہے تو اتنا مجرم وہ بھی ہے جتنا وہ جو رشوت لے کر اُسے ناجائز مراعات دیتا ہے۔ تو جرم دونوں کا ایک ہی سا ہو جاتا ہے۔ سوال رہ جاتا ہے کہ جو آپ کا حق بنتا ہے وہ بغیر رشوت

کے نہیں مل رہا تو اپنا حق حاصل کرنے کے لئے جو رشوت دی جاتی ہے اس کے بارے علماء نے بڑی بحث فرمائی اور فرمایا کہ اس صورت میں کہ رشوت دینے والے سے جو رشوت لی جاتی ہے وہ رشوت لینے والا صرف مرتشی نہیں ہے بلکہ ڈاکو ہے۔ جیسے کوئی ڈاکو آ جاتا ہے وہ کہتا ہے یہ چیز مجھے دے دو ورنہ تمہیں گولی مار دوں گا تو آپ جان بچانے کے لئے دے دیتے ہیں۔ تو وہ رشوت دینے والا نہیں ہے وہ لٹنے والا ہے۔ اور لینے والا صرف رشوت نہیں لے رہا بلکہ ڈاکہ بھی ڈال رہا ہے۔ تو ایسے مجبور لوگ جن کا حق بنتا ہے جیسے کئی لوگ ریٹائر ہوتے ہیں، پنشن پر ان کا حق بنتا ہے، کسی کا کسی زمین پر حق بنتا ہے اور بے شمار جائز چیزیں ہیں جو لوگوں کا حق بنتا ہے اور وہ بغیر رشوت کے نہیں ملتا، مجبوری ہے تو وہ اپنا حق ضائع نہ کریں، بلکہ کچھ دے دلا کر اپنا حق وصول کر لیں۔ تو وہ دینا جو مجبوراً دیا جائے گا وہ رشوت شمار نہیں ہوگا، وہ ڈاکہ شمار ہوگا کہ لینے والا ڈاکو ہے اور اُسے مجبور کر کے زبردستی اس سے لے رہا ہے۔ اب یہ فیصلہ اللہ کریم ہی کریں گے یا بندے کو خود پتہ ہوتا ہے کہ وہ مجبوری میں دے رہا ہے یا ناجائز فائدہ حاصل کرنے کے لئے دے رہا ہے۔ جو بندہ مجبوری میں دیتا ہے وہ رشوت دینے والا شمار نہیں ہوتا بلکہ وہ لٹنے والا شمار ہوتا ہے۔ ایک آدمی کا ایک لاکھ روپیہ حق بنتا ہے، وہ کہتا ہے دس ہزار ہمیں دے دو۔ تو وہ بندہ اپنا نوے ہزار تو کم از کم بچا لے۔ تو یہ رشوت نہیں ڈاکہ ہے، یہ رشوت سے آگے نکل جاتا ہے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ "میرے وجود سے جو چیز مَس ہو جائے اس پر آگ اثر نہیں کرتی۔" کیا اس کا تعلق روحانی بیعت کرنے والے ساتھیوں سے بھی ہو سکتا ہے کہ دوزخ کی آگ سے محفوظ ہوں گے؟

جواب: جہاں تک روحانی بیعت یا زیارتِ نبوی یا حضوری بارگاہ نبوی ﷺ کا تعلق ہے تو اس میں تو علماء تعبیر اور علماء حق نے فرمایا ہے کہ کسی کو خواب میں بھی حضور ﷺ کی زیارت ہو جائے تو اس کے نیک خاتمے اور نجات کی دلیل ہے چہ جائیکہ کہ کسی کو فنا فی الرسول نصیب ہو جائے۔ یہ حدیث شریف جو آپ نے نقل فرمائی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک حضور ﷺ اس عالم آب وگِل میں جلوہ افروز تھے تو جو چیز یا جو ہستی، جس کا وجود حضور ﷺ کے وجودِ عالی سے مَس ہو گیا جیسے کسی نے آپ ﷺ کے دستِ مبارک سے مصافحہ کرنے کی سعادت پائی، کسی نے آپ ﷺ کی بیعت کی۔ جس مومن کا وجود حضور ﷺ سے مَس ہو گیا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور یہ حدیث ہے کہ ایک دفعہ دورانِ سفر حضرت امیر معاویہؓ حضور ﷺ کے ردیف تھے۔ ردیف اس شخص کو کہتے ہیں جسے سوار اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لے۔ حضرت امیر معاویہؓ جسیم آدمی تھے۔ تو آپؓ اپنے آپ کو پیچھے کھینچ کر سانس روک کر، پیٹ کو کھینچ کر بیٹھے تھے کہ کہیں حضور ﷺ کے لئے تکلیف کا سبب نہ ہو تو حضور ﷺ نے آپ کو کھینچ کر ساتھ لگا لیا اور فرمایا سمٹ کر مت بیٹھو میرے وجود سے جو وجود مَس ہو جائے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے جب آپ ﷺ عالمِ آب وگِل میں جلوہ افروز تھے تو جن مومنین کے وجودوں کو حضور ﷺ کے وجودِ عالی سے مَس ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ان پر دوزخ حرام ہو گئی۔

جہاں تک روحانی بیعت کا تعلق ہے اس کی اپنی فضیلت ہے اور یہ بہت بڑا مقام ہے۔

ایں سعادت است کہ حسرت برند براں
جویاں تختِ قیصر و ملکِ سکندری

یہ وہ دولت ہے جو فاتحین عالم اور شہنشاہوں کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہ محض اللہ کے بندوں کو اللہ کے کرم سے نصیب ہوتی ہے۔ وجودِ اطہر کا جو یہ اثر تھا کہ اس پر دوزخ حرام ہو گئی تو اس کا معنی یہ ہے۔ ایک اور حدیث ہے اصحاب بدر کے بارے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے بدر میں شرکت کی وہ جنتی ہو گئے خواہ وہ زندگی میں کچھ بھی کریں۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کچھ بھی کرتے رہیں؟ اس سوال سے مراد یہ تھی کہ بندہ تو زندگی بھر کوئی نہ کوئی غلطی، کوتاہی، گناہ کر سکتا ہے تو آپ ﷺ نے پھر فرمایا وہ کچھ بھی کریں۔ شارحین حدیث جب اس پر بحث کرتے

ہیں کہ اہلِ بدر میں سے اگر کوئی خدانخواستہ شرک میں مبتلا ہو جائے تو کیا وہ جنتی ہے؟ پھر فرماتے ہیں ایسی بات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جنہوں نے بدر میں شرکت کی وہ جنتی ہو گئے سے مراد یہ ہے کہ آئندہ اللہ ان سے کام ہی وہ کروائے گا جو اہلِ جنت کو زیب دیتے ہیں۔ وہ دوزخیوں والا کوئی کام نہیں کریں گے۔ یعنی حضور ﷺ کا یہ بشارت دینا کہ یہ جنتی ہو گئے کا مفہوم یہ ہے کہ اس عمل کے طفیل انہیں یہ سعادت نصیب ہوگئی کہ زندگی بھر وہ کام ہی ایسے کریں گے۔ جسے اللہ نے جنت لے جانا ہے اس سے جنتیوں والے اعمال کرواتے ہیں۔ تو اسی کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے کہ جس کا وجود یا جو وجود حضور ﷺ کی ذات عالی سے مَس ہو گیا اس پر دوزخ حرام ہوگئی۔ اس کا مطلب ہے اس کے پچھلے گناہ معاف ہوگئے آئندہ وہ کوئی ایسے کام نہیں کرے گا۔ اسے اللہ کی طرف سے یہ سعادت نصیب ہوگئی کہ وہ نیک کام ہی کرے گا، اچھے کام ہی کرے گا۔ یہی عالم روحانی بیعت کا ہے لیکن اُس زمانے میں ہونا اور بات ہے اور زمانے کا بدل جانا اور بات ہے۔ جیسا جب حضور ﷺ اس دارِ فانی میں جلوہ افروز تھے جو بارگاہِ عالی میں حاضر ہوتا وہ صحابیؓ بن جاتا۔ اب جسے فنا فی الرسول نصیب ہوتا ہے وہ صحابیؓ نہیں بن سکتا کیونکہ آج کا زمانہ اور ہے، حضور ﷺ کا زمانہ اپنا تھا۔ تو اس میں یک زماں ہونے کی قید بھی ہے۔ اسی طرح روحانی بیعت والوں کی بہت بڑی سعادت ہے، بہت بڑی، بہت بڑی عظمت ہے۔ جسے تولا اور ماپا نہیں جاسکتا۔ لیکن اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔ اگر بیعت والا اپنے عہد پر قائم رہا تو یقیناً اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔

لیکن اگر اس نے اپنا عہد حضور ﷺ سے بھی عہد کر کے چھوڑ دیا تو پھر یہ فیصلہ اللہ ہی کرے گا۔ کیونکہ اللہ کریم نے فرمایا ہے۔ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ (الفتح:10) جس نے بیعت توڑی اس نے اپنے آپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، تباہ کر دیا، برباد ہو گیا۔

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (الفتح:10) حضور ﷺ سے بیعت کے بارے یہ آیہ کریمہ ہے کہ جس نے وہ عہد نبھایا اُسے اللہ بے حد و بے حساب اجر دے گا۔ اس پر وہ مہربانیاں فرمائے گا جو وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا بہت بڑے انعامات عطا فرمائے گا جو اس کی سمجھ سے بھی باہر ہیں۔

سوال: حضرت رحمۃ اللہ کی تحقیق تھی کہ مراقبات نوافل سے افضل ہیں۔ لیکن اس کے شرعی دلائل، دلائل السلوک میں نظر سے نہیں گذرے۔ براہ کرم استفادہ کے لئے دلائل سے مستفید فرمائیں۔

جواب: میرا خیال تو ہے کہ دلائل السلوک میں صرف قول ہی نہیں دلائل بھی ہیں۔ اس کا نام ہی دلائل السلوک اس لئے ہے۔ اگر کوئی تفصیل رہ گئی ہوئی تو اس کی شرح آگئی ہے۔ اب انشاء اللہ جلدی چھپ کر آجائے گی۔ تو اس کی شرح آگئی ہے۔ تو اس میں بات بھی آجائے گی۔

نوافل سے کیا مراد ہے؟ نوافل فرض تو نہیں ہیں، سنت بھی نہیں ہیں۔ تو بندہ نفلی عبادت کیوں کرتا ہے؟ متوجہ الی اللہ رہنے کے لئے کرتا ہے تا کہ اللہ کی رحمت کو پا سکے۔ تو اگر ایک آدمی کا قلب ذاکر نہیں ہے لیکن وہ پورے خلوص سے نفلی عبادت کر رہا ہے، متوجہ الی اللہ بھی ہے اور اللہ کا کرم اور اللہ کی رحمت بھی اُسے مل رہی ہے۔ لیکن ایک بندے کا دل بھی روشن ہے اور وہ متوجہ الی اللہ مراقبات میں گم ہے اور روحانی منازل میں کھڑا ہوا اللہ کی بارگاہ میں کُلی طور پر متوجہ ہے، تو جس کا دل روشن نہیں ہے اس کی نسبت اس روشن دل والے کے مراقبات میں توجہ الی اللہ زیادہ ہوتی ہے۔ جس بندے کو قلبی کیفیات حاصل نہیں وہ نوافل، نماز ادا کر رہا ہے۔ جس کا قلب روشن ہے اور وہ مراقبات کر رہا ہے تو آپ اندازہ کیجئے کہ توجہ الی اللہ میں دونوں میں کتنا فرق ہوگا۔ جتنی توجہ الی اللہ ہوگی، اتنا اجر زیادہ ہوگا۔ تو یہی بات حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی۔

* * *

خواتین کا صفحہ

حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ

ام فاران، راولپنڈی

نام ونسب:

حضرت رقیہؓ حضور اکرم ﷺ کی دوسری صاحبزادی تھیں والدہ خدیجہ الکبریٰ تھیں۔ بعثت نبوی ﷺ سے سات سال پہلے پیدا ہوئیں نبی اکرم ﷺ کی عمر اس وقت تینتیس (33) برس تھی۔ حضرت رقیہؓ، حضرت زینبؓ سے تین برس چھوٹی تھیں۔

پہلا نکاح:

ان کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد عتبہ بن ابولہب سے ہوا جب آپ ﷺ نے دعوت اسلام کا اظہار فرمایا تو ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا "اگر تم محمد ﷺ کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا حرام ہے" عتبہ نے حضرت رقیہؓ کو طلاق دے دی۔ ان کی رخصتی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

حضرت عثمانؓ سے نکاح اور شادی:

چند ہی دن کے بعد حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کیا وہ نہایت صالح، مخیّر اور متمول نوجوان تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی کے لئے انہیں پسند فرمایا۔ جسے حضرت عثمانؓ نے بخوشی قبول کیا۔ یوں مکہ میں ہی حضرت عثمانؓ کی شادی حضرت رقیہؓ سے کر دی گئی۔

عام حالات:

نبوت ﷺ کے اظہار کے بعد جب کفار نے مسلمانوں کو بے حد ستایا تو حضور ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تو حضرت عثمانؓ نے بھی حضرت رقیہؓ کے ہمراہ حبش کو ہجرت کی۔ یہ واقعہ نبوت ﷺ کے پانچویں سال کا ہے۔

کچھ مدت وہاں گزارنے کے بعد واپس آئے تو مکہ کی سرزمین کو اور زیادہ تنگ پایا۔ چنانچہ دوبارہ اپنی اہلیہ کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کی۔ مدت تک آنحضرت ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ آخر ایک دن ایک عورت نے آکر آپ ﷺ کو یہ خبر دی کہ "میں نے عثمانؓ اور رقیہؓ کو بچشم خود حبش میں بخیریت دیکھا ہے اس پر حضور ﷺ کو اطمینان ہوا۔

آپ ﷺ نے دعا دی اور فرمایا:

"ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی بیوی کے ہمراہ ہجرت کی (اسد الغابہ، ج 57، ص 457)

مکہ میں واپسی:

اس مرتبہ انہوں نے حبش میں زیادہ عرصہ تک قیام کیا جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ میں ہجرت کرنے والے ہیں تو چند لوگ جن میں حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ بھی شامل تھے مکہ آئے اور آنحضرت کی اجازت سے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ جہاں پر انہوں نے حضرت حسانؓ کے بھائی اوسؓ بن ثابت کے گھر قیام کیا کچھ عرصہ کے بعد حضور ﷺ بھی مدینہ تشریف لے آئے۔

بیماری کا حملہ:

2ھ میں حضرت رقیہؓ کو چیچک کے دانے نکلے جس سے وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ اس زمانہ میں بدر کی تیاریاں کر رہے تھے۔ روانگی سے قبل آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو حکم دیا کہ وہ رقیہؓ کی خبر گیری کریں اور مدینہ ہی میں ٹھہریں۔ اس کے عوض اللہ تعالیٰ انہیں جہاد کا ثواب بھی دے گا اور انہیں مال غنیمت میں حصہ بھی ملے گا۔" (بخاری، ج 1، ص 442)

رسول ﷺ ابھی بدر ہی میں تھے کہ حضرت رقیہؓ کی تکلیف بڑھ گئی اور عین اس وقت جب حضرت زید بن حارثہؓ نے مدینہ منورہ آکر فتح کا مژدہ سنایا حضرت رقیہؓ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ آنحضرت ﷺ جب بدر سے واپس آئے تو آپ ﷺ کو واقعے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 44)

بچو! غزوۂ بدر ہجرت کے تقریباً انیس ماہ بعد ماہِ رمضان میں پیش آیا۔ یہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان پہلا معرکہ تھا۔ ہوا یوں کہ حضرت ابوسفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) شام سے مکہ کی طرف ایک بڑا تجارتی قافلہ لے کر جا رہے تھے۔ اس قافلہ میں مکہ کے بہت سے امیر لوگ اور سرداروں کا پیسہ لگا ہوا تھا۔ دراصل ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس پیسے سے جو منافع حاصل ہوگا اس سے مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں کی جائیں۔ یہ اطلاع مسلمانوں تک بھی پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ تین سو تیرہ صحابہ کرام کو لے کر اس قافلے کو روکنے کے لئے روانہ ہوئے۔ ادھر جب حضرت ابوسفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کو مسلمانوں کی مدینہ منورہ سے روانگی کی اطلاع ملی تو وہ گھبرا گئے اور انہوں نے ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے یہ خبر مکہ کے سرداروں کو بھجوائی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہلوا بھیجا کہ جلد از جلد مدد کو پہنچیں۔ خبر ملتے ہی مکہ کے بڑے بڑے سردار ایک ہزار جنگی فوج لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ دوسری طرف کفار کا وہ تجارتی قافلہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی بچ بچا کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ یوں اب جنگ کا فائدہ بھی نہ تھا۔ حضرت ابوسفیان نے کہلوا بھی بھیجا کہ قافلہ محفوظ ہے تم لوگ مکہ لوٹ جاؤ۔ لیکن ابوجہل نے جس کی عمر اس وقت ستر سال تھی جواب دیا کہ ہم ہرگز نہیں لوٹیں گے جب تک میدان بدر سے نہ ہو آئیں۔ دراصل کفارِ مکہ اس گھمنڈ میں تھے کہ وہ بہت بڑی فوج لے کر نکلے ہیں۔ لہٰذا اسی تکبر میں انہوں نے سوچا کہ اب مسلمانوں سے جنگ کر کے انہیں ختم ہی کر دیا جائے۔ ان کے ایک ہزار کے لشکر میں چھ سو زرہ پوش تھے۔ جن میں سے ایک سو زرہ پوش گھوڑوں پہ سوار تھے۔ اس کے علاوہ سو اونٹ بھی تھے۔ ان کے ساتھ بارہ شخص ایسے تھے جو کھانے کے انتظام پہ مامور تھے۔ ان میں سے ہر شخص ایک دن دس اونٹ ذبح کرتا۔ غرض کفار اس سفر میں بہت اکڑ اور تکبر میں تھے۔

آپ ﷺ کے ساتھ جو مسلمان نکلے ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ ستر اونٹ اور پانچ گھوڑے تھے۔ آپ ﷺ نے روانگی کے وقت جو زرہ زیب تن کی اس کا نام ''ذات الفضول'' تھا۔ اور آپ ﷺ کی تلوار کا نام عضب تھا۔ اس غزوۂ مبارک میں بہت سے چھوٹے بچے بھی حصہ لینے کے لئے آگے آئے جنہیں آپ ﷺ نے واپس فرما دیا تو وہ جہاد میں حصہ نہ لے پانے کے احساس سے رونے لگے۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ ان میں حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت رافعؓ بن حدیج، حضرت زیدؓ بن ارقم، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت عمیر بن ابی وقاص شامل تھے۔ یہ سب صحابہ کرامؓ اس وقت بہت چھوٹے تھے۔

ستر اونٹوں پر مجاہدین آگے پیچھے سوار تھے۔ علم (جھنڈا) حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ آپ ﷺ کے سامنے دو جھنڈے تھے۔ ایک حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ حضرت عائشہؓ کے دوپٹے سے بنایا گیا تھا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر بیس سال تھی۔ دوسرا جھنڈا کسی انصاری کے ہاتھ میں تھا۔

میدان بدر میں انتہائی آگے بڑھ کر کفارِ مکہ نے خیمے لگا لئے جبکہ مسلمان ریت کے ٹیلے پر خیمہ زن ہوئے۔ مشرکین مکہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی میدان بدر میں موجود پانی کے کنوؤں پر قبضہ کر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یوں مدد فرمائی کہ خوب بارش برسائی۔ مسلمانوں نے وضو کے لئے پانی کے حوض بنا لئے۔ اپنی سواریوں کو بھی پانی پلایا۔ بارش سے غبار دب گیا۔ اور مسلمانوں کے قدموں تلے زمین جم گئی۔ جبکہ نشیبی جگہ ہونے کی وجہ سے کفار کے پاؤں تلے خوب کیچڑ بن گیا۔

ایک بلند ٹیلے پر نبی کریم ﷺ کے لئے جھونپڑا بنایا گیا۔ جس میں

آپ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ تشریف فرما ہوئے۔ اور حضرت سعد بن معاذ تلوار لے کر باہر پہرہ پر کھڑے ہوگئے۔ یہ جھونپڑا خیمہ کے مشابہ ایک سایہ دار کمرہ تھا۔ جو کھجور کی شاخوں سے بنایا گیا تھا۔

جب نبی کریم ﷺ نے اس غزوہ کی تیاری میں تمام اسباب اختیار فرما لئے اور مسلمانوں کی صفیں درست فرما لیں تو اس جھونپڑے میں تشریف لے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی کہ اے اللہ میں سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں۔ اگر آج یہ مٹھی بھر اہل ایمان ختم ہوگئے تو پھر روئے زمین پر آپ کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔

بدر کے دن فرشتوں کا مسلمانوں کی مدد کو آنا:

جب صبح ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی صفوں کو نئے سرے سے ترتیب دیا۔ اُدھر سامنے قریش بھی صف بستہ ہوگئے۔ غزوۂ بدر کا آغاز شخصی مبارزت (دو افراد کا ایک دوسرے سے مقابلہ) سے ہوا۔ چنانچہ کفار کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ، اس کا بیٹا ولید بن عتبہ اور بھائی شیبہ بن ربیعہ میدان میں اترے۔ اور مسلمانوں کو مقابلے کے لئے للکارا۔ جواباً انصار کے چند نوجوان مقابلے کے لئے نکلے۔ لیکن انہوں نے انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہمیں انصار میں سے نہیں بلکہ اپنی قوم یعنی مہاجرین میں سے مقابل چاہئیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو میدان میں اُتارا۔

حضرت حمزہؓ نے شیبہ کا مقابلہ کیا۔ حضرت علیؓ نے ولید کا مقابلہ کیا اور حضرت عبیدہؓ نے عتبہ کا سامنا کیا۔ اور چند لمحوں میں انہیں مار گرایا۔ اس کے بعد باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوگیا۔

نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کا حوصلہ خوب بڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ مسلمانوں میں سے جو شخص آج کفار سے جنگ کرے گا اور وہ ثابت قدمی و استقامت کے ساتھ آگے بڑھ کر جہاد کرے گا پیچھے نہ ہٹے گا اور اسی حالت میں شہید ہو جائے گا۔ تو حق تعالیٰ اسے لازماً جنت میں داخل فرمائیں گے۔"

یہ سن کر ایک انصاری حضرت عمیرؓ بن حمام جو ہاتھ میں کھجوریں لئے کھا رہے تھے بولے:

"واہ! کیا اچھی بات ہے کہ میرے اور جنت میں داخلہ کے درمیان صرف اتنا سا فرق ہے کہ یہ کفار مجھے شہید کر دیں۔"

یہ کہہ کر کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور جا کر کفار سے لڑنے لگے حتیٰ کہ شہید ہوگئے۔

آیات و احادیث میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پہ اتنے خوش ہوئے کہ بدر کے دن فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال میں فرمایا ہے۔

"اس دن کو یاد کرو جب تم اللہ سے فریاد کر رہے تھے پھر اس نے تمہاری فریاد سن لی اور کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔ جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہیں گے۔"

اس غزوہ میں دونوں جماعتوں کے درمیان بہت سخت معرکہ ہوا۔ اور مشرکین کی طرف کنکریاں پھینکنے کا واقعہ بھی اسی غزوہ میں پیش آیا تھا۔ جو درحقیقت آپ ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح ہے۔

وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔

"جب آپ ﷺ نے (مشرکین کی طرف) کنکریاں پھینکی تو آپ ﷺ نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکیں۔"

واقعہ کچھ یوں ہے کہ غزوۂ بدر کے دن آپ ﷺ بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے، دعا فرماتے رہے۔ دعا فرمانے کے بعد آپ ﷺ جھونپڑا مبارک سے باہر تشریف لائے تو مٹھی بھر ریت دستِ مبارک میں لے کر کفارِ مکہ کی طرف پھینکی تو یہ ریت ہر شخص کی آنکھوں، ناک اور منہ میں آگئی۔ کوئی شخص اس سے نہ بچ سکا۔ ہر شخص حیران و پریشان ہوگیا کہ کیا تدبیر کرے کہ آنکھوں سے ریت نکال سکے۔ آپ ﷺ کا ایک اور معجزہ بہت مشہور ہے کہ اسی روز حضرت عکاشہؓ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ تو نبی کریم ﷺ نے انہیں خشک ٹہنی عطا فرمائی اور فرمایا کہ اس سے کام لو۔ جب حضرتِ عکاشہؓ نے اسے پکڑ کر ہلایا تو یہ ٹہنی ایک طویل اور انتہائی سفید تلوار بن گئی۔ یہ صحابی ہمیشہ اس سے جہاد کرتے رہے۔ غرض یہ کہ میدان بدر میں مسلمان خوب قوتِ ایمانی سے لڑے اور کفار کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ جنگ صبح کو شروع ہوئی اور ظہر تک کفار کو شکست ہوگئی۔

غزوۂ بدر میں چودہ مسلمان شہید ہوئے جبکہ مشرکوں کے

تقریباً 70 لوگ مارے گئے۔ اور تقریباً اتنے ہی گرفتار ہو کر جنگی قیدی بنے۔ مارے جانے والوں میں ابو جہل بھی شامل تھا۔ کفارِ مکہ کا یہ بہت بڑا سردار دو کم عمر انصاری بھائیوں حضرت معاذؓ اور حضرت معوذؓ کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا۔ غزوۂ بدر میں مارے جانے والے کافروں کے لئے آپ ﷺ نے حکم فرمایا: ''کہ انہیں ایک گڑھے میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ سب کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔

آپ ﷺ نے اس کے بعد تین دن مقام بدر میں قیام فرمایا۔ اور تین دن کے بعد رات کے وقت آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ سمیت گڑھے کے مقام پر تشریف لائے۔ اور گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا: ''اے گڑھے والو! تم نبی کے قبیلہ کے بدترین شخص تھے۔ میں نے تمہیں ایمان کی دعوت دی مگر تم نے مجھے جھٹلایا۔ اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ پھر گڑھے میں جن کفار کی نعشیں تھیں ان کا نام لے کر مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا:

''اے عتبہ! اے شیبہ! اے اُمیہ بن خلف! اے ابوجہل بن ہشام! تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچ پالیا؟ کیونکہ مجھ سے تو میرے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا میں نے اسے صحیح پایا۔''

اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ کیا یہ اجسام جو بغیر روح کے ہیں آپ ﷺ کی بات سن رہے ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں بالکل اس طرح جس طرح تم سن رہے ہو لیکن فرق صرف یہ ہے کہ یہ میری بات کا جواب نہیں دے سکتے۔''

نبی کریم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا۔ ان میں سے بعض کو احسان کے طور پر چھوڑ دیا۔ جو باقی بچے تھے ان کے متعلق یہ طے ہوا کہ وہ فدیہ دے کر آزادی حاصل کرلیں اور جو فدیہ نہیں دے سکتے وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں اور آزادی حاصل کرلیں۔

پیارے بچو! غزوہ بدر سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنا چاہئے اور خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کا کام کریں اور اس دین کی سربلندی کے لئے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

☆☆☆☆

صفحہ نمبر 41 سے آگے

قبر پر آپ ﷺ کی تشریف آوری

آپ ﷺ حضرت رقیہؓ کی قبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ''عثمان بن مظعونؓ پہلے تشریف لے جاچکے ہیں اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ۔'' (مہاجرین میں حضرت عثمانؓ مظعوں نے سب سے پہلے وفات پائی تھی۔)

حضور ﷺ کے ارشاد پر عورتوں نے رونا شروع کردیا۔

حضرت عمرؓ کوڑا اُٹھا کر مارنے کے لئے اُٹھے تو آپ ﷺ نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: ''دل اور آنکھ کے رونے میں کچھ حرج نہیں۔ لیکن نوحہ اور بین شیطانی حرکات ہیں اس سے قطعاً بچنا چاہئے۔''

حضرت فاطمۃ الزہراؓ بھی اپنی بہن کی قبر پہ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں وہ قبر کے پاس بیٹھ کر روتی جاتی تھیں اور آپ ﷺ اپنی چادر کے کونے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

اولاد: حبش کے زمانہ قیام میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام عبداللہ تھا انہی صاحبزادے کی نسبت سے حضرت عثمانؓ نے اپنی کنیت ابوعبداللہ اختیار کی تھی۔ حضرت عبداللہؓ ابھی چھ برس کے تھے کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماری جس سے انکار چہرہ متورم ہوگیا او راسی تکلیف سے جمادی الاوّل 4ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ حضور ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ اور حضرت عثمانؓ نے قبر میں اتارا حضرت عبداللہؓ کے بعد ان کے ہاں اور کوئی اولاد نہ ہوئی۔

مثالی محبت:

حضرت رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ میں باہم بے حد محبت تھی ان کے تعلقات اتنے خوشگوار اور مثالی تھے کہ لوگوں میں یہ مقولہ ان کی نسبت بطور ضرب المثال مشہور ہوگیا۔

''احسن الزوجین راھما الانسان وزوجھا عثمان''

ترجمہ: رقیہؓ اور عثمانؓ سے بہتر میاں بیوی کسی انسان نے نہیں دیکھے۔''

حلیہ مبارک:

حضرت رقیہؓ خوبصورت اور موزوں اندام تھیں۔ زرقانی میں ہے ''کانت بارعۃ الجمال''

ترجمہ: ''وہ نہایت جمیل تھیں۔'' (زرقانی، ج3، ص226)

مساعی جمیلہ

جلسہ بعثت رحمت عالم ﷺ

فیصل آباد

23 مارچ 2014ء

رانا احمد نواز، گوجرہ

اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہوا جو ہمیں جلسہ بعثت عالم ﷺ کی برکات سے مستفید فرمایا۔

23 مارچ کو بھائی عبدالقدیر صاحب کی فیصل آباد آمد ابر رحمت کا سبب بنی اور دلوں کی بنجر زمین ایک بار پھر سے گل ولالہ سے مہکنے لگی۔

میری رپورٹ لفظوں کی حد تک ہے۔ اور الفاظ سے جذبوں کا اظہار ممکن نہیں جیسے لفظ خوشبو سے حقیقی خوشبو کا اظہار ممکن نہیں۔

پروگرام سے چند روز قبل جب بھائی اظہر خورشید صاحب نے بتایا کہ 23 مارچ کو بھائی عبدالقدیر صاحب فیصل آباد تشریف لا رہے ہیں اور ٹیکنیکل گراؤنڈ میں ان کا خطاب ہوگا جس کا موضوع جلسہ بعثت عالم ﷺ اور آج کا پاکستان ہے۔

عنوان ہی سے پتہ چلتا تھا کہ بعثت عالم ﷺ سے لیکر آج تک کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی جائے گی۔

پروگرام کی تیاری کے سلسلہ میں 7 مارچ کو ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ دار العرفان میں میٹنگ کا اہتمام کیا گیا ضلع جھنگ، گوجرہ، شورکوٹ، کمالیہ اور گردونواح سے احباب سلسلہ نے شرکت کی۔

جناب اظہر خورشید صاحب نے بھائی عبدالقدیر کے پروگرام سے آگاہ کیا اور احباب کے مشورہ سے جلسہ کے وقت کا تعین کیا۔ انہوں نے جلسہ کی اہمیت بیان فرمائی۔ مختلف احباب میں ڈیوٹیاں تقسیم فرمائیں اور پھر وقتاً فوقتاً فون پر رابطہ کر کے احباب سے مسائل دریافت فرماتے رہے اور تیاری کے متعلق پوچھتے رہے۔

انہوں نے فرمایا کہ ہم جو بھی کر رہے ہیں یہ اللہ کی رضا کیلئے کر رہے ہیں لہٰذا ہم نے یہ سب کچھ اپنی مدد آپ کے تحت کرنا ہے۔

بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور عشاق کے قافلے سوئے منزل رواں ہوئے۔ دیہاتوں سے بھی احباب تشریف لائے۔ شہر اور دیہاتوں سے عورتوں نے بھی حصہ لیا اور بڑے ذوق وشوق سے فیصل آباد پہنچے۔

جلسہ گاہ کی ہر چیز روائتی جلسوں سے ہٹ کر تھی۔ سب سے پہلے سیکورٹی احباب سے واسطہ پڑا۔ سبحان اللہ خوبصورت، منور چہرے، خوبصورت ترتیب تمام قانونی تقاضے پورے، چیکنگ میں بلا کی شفقت نظر کی وسعت واقعی کسی کامل استاد کے تربیت یافتہ نظر آتے تھے۔

جلسہ گاہ میں پہنچے، دور تک پھیلی ہوئی بالترتیب کرسیاں، خوبصورت سٹیج، جس کے آگے صوفوں کی قطاریں، ہزاروں کا مجمع، نہ کوئی جنبش نہ کوئی آہٹ، ذہنی ہم آہنگی، ہمہ تن گوش، ایک عزم، کسی مقصد کیلئے تیار سامعین، کمال کے تربیت یافتہ لوگ جنہیں دیکھ کر بے ساختہ ہر بندہ سبحان اللہ کہہ اٹھے۔ اوپر سے موسم کے انداز جیسے انہی لوگوں کیلئے ہوں بغیر شور شرابے کے انتہائی شفاف ساؤنڈ سسٹم۔

جناب راشد کلیم صاحب سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ جنہوں نے اپنے مخصوص انداز سے حضرت شیخ المکرم کا تعارف کروایا۔ حضرت جی کی دینی خدمات اور ان کی زندگی کے بے شمار پہلو بیان کئے۔

جانے کیوں آج تک میں ان کے ہر تعارف کو ادھورا تعارف سمجھتا ہوں اور یہ سچ کہہ رہا ہوں۔ جو ہم بیان کرتے ہیں یہ الفاظ کی حد تک ہے۔ یہ صرف لفظ خوشبو کی حد تک ہے خوشبو تو خوشبو ہے۔۔ نہ ان کی ذاتی کیفیات کو سمجھا جا سکتا ہے نہ بیان کیا جا سکتا ہے۔

وہ بظاہر تو ملیں گے ایک لمحے کیلئے\
عمر ساری چاہیے ان کو سمجھنے کیلئے

آج کا جلسہ درحقیقت انہی کی سجائی ہوئی محفل ہے جہاں انہوں نے اپنے قائم مقام کو اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے۔شب و روز لحہ لحہ ہمارے لئے فکر مند رہنے والا شخص۔

جانے اُس شخص کو یہ کیسا ہنر آتا ہے
رات ہوتی ہے تو پھر دل میں اتر آتا ہے

جناب ریاست علی صاحب نے سلسلہ عالیہ کا تعارف کروایا۔ صوفیاء کا طریقہ تربیت ،دلوں کی صفائی ، روحانی تربیت اور ضرورت شیخ کی اہمیت بیان کی۔

جناب اظہر خورشید صاحب نے بھی کیفیات میں ڈوب کر حضرت شیخ المکرم کا تعارف کروایا اور اپنے آنکھوں دیکھے واقعات بیان کرتے ہوئے بتایا میں ایک مرتبہ حرم پاک میں دو بجے صبح پہنچا تو میں نے دیکھا کہ شیخ المکرم بالکل اکیلے اپنی دھن میں مگن وہاں طواف کر رہے ہیں بالکل اکیلے ہیں اور وہ جو کیفیت تھی وہ میرے سینے میں نقش ہے۔ مجھے یوں لگا جیسے اللہ کریم اور اس کا محبوب ایک دوسرے سے ہم کلام ہیں۔الحمدللہ یہ مجھے دیکھنا نصیب ہوا۔

اس کے بعد ایک سال ہم اپنے شیخ کی رفاقت میں مدینہ منورہ میں تھے۔سلام پیش کرنے کے لئے مسجد نبویﷺ کا رخ کیا ہوا تھا۔عین دروازے کے سامنے یہ موجودہ تعمیر نہیں ہوئی تھی یہ وسعت نہیں ہوئی تھی ،ایک لمبا دبلا پتلا گہرے سانولے رنگ کا قدرے میلا سا لباس پہنے ہوئے پسینے میں بھیگا ہوا ایک دم والہانہ طور پر آیا اور شیخ المکرم سے لپٹ گیا، ہم حیران ہوئے کہ یہ پسینے میں بھیگا ہوا، میلے کپڑوں والا آدمی شیخ المکرم سے کیسے لپٹ گیا۔ ایک دم حضرت جی نے اپنے بازو کھولے اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا اپنے ساتھ چمٹایا اور پیار کیا۔ جب ہم واپس آگئے تو ساتھیوں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ وہ کہنے لگا میں شہر مدینہ میں رہتا ہوں۔ میں نے دعا کی تھی کہ اے بارالہا جو تیرا سب سے محبوب بندہ آج کے دور میں ہے جو نبی کریمﷺ کا اس دور کا سب سے پیارا انسان ہے مجھے ان سے ملا۔ وہ کہنے لگا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آپﷺ کی زیارت ہوئی۔ انہوںﷺ نے شیخ المکرم کا چہرہ ان کے سامنے کیا اور فرمایا یہ ہے وہ بندہ جس کے لئے تم نے دعا کی تھی۔ وہ کہنے لگا میں پریشان ہوا کہ میں نام نہ پوچھ سکا میں پتہ نہ پوچھ سکا، انہیں کہاں تلاش کروں پھر میں نے کہا کہ مدینہ منورہ میں جو دکھایا گیا تو مدینہ منورہ میں تلاش کرتا ہوں۔اس بات کو ایک ماہ ہو گیا اور ایک ماہ سے مسلسل نمازیوں کو دیکھنے کے لئے مسجد نبوی سے باہر دروازے میں کھڑا ہوا ہوں اور جب جماعت ہو چکتی ہے تو میں بھاگ کر دوسرے دروازے میں کھڑا ہوتا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ہستی آئے گی اور میں ملوں گا۔آج وہ ہستی مجھے نظر آئی ہے۔ میں بے خود ہو کے ملا ہوں۔ پھر میں نے دیکھا کہ خمسہ مساجد کی زیارات پر گئے ہیں۔ شیخ المکرم موجود ہیں۔ اچانک حضرت جی کو پسینہ آتا ہے۔قریب کھڑی ہوئی گاڑی کے بونٹ کے اوپر تشریف فرما ہوتے ہیں۔سکوت اختیار کرتے ہیں۔کچھ منٹوں کے بعد آپ کی نم آنکھیں وا ہوتی ہیں اور فرماتے ہیں کہ نبوت کے انوارات برداشت کرنا مشکل ہے آسان کام نہیں ہے۔

جلسہ کی کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا جس کے بعد حضرت شیخ المکرم مدظلہ کا نفیس کلام جو ذاتی کیفیت کا مجموعہ تھا " جالی اطہر کے قریب " سرگودھا کے جناب مبشر اعوان صاحب نے پیش کیا۔کیفیات کا سمندر اور آواز کا جادو دل میں اتر گیا۔

اس کے بعد جناب بھائی عبدالقدیر صاحب کا خطاب شروع ہوا۔ پورا مجمع ہمہ تن گوش تھا جو کیفیت اور برکات حضرت شیخ المکرم کے جلسوں میں نظر آتے ہیں اس کی مہک آج کے جلسے میں نظر آرہی تھی۔

انہوں نے اپنے بیان کا آغاز بعثت سے شروع کیا۔انہوں نے زمانہ جاہلیت اور بعثت کے بعد کا خوبصورت زمانہ ، روحانی تربیت ، انسانی کردار ، طرز عمل ، مقصد حیات ، دنیا و آخرت کی کامیابی، انسانی تاریخ، کسی بھی پہلو کو تشنہ نہ چھوڑا۔

پھر وہ تاریخ بیان فرمائی جب برصغیر پر انگریز نے قبضہ کیا۔ مسلمانوں کے ساتھ انگریز نے لرزہ خیز سلوک کیا وہ حالات بیان فرمائے۔ دینی مدارس کو جس طرح تباہ و برباد کیا اور علماء کی طرز پر ہوٹلوں کے ویٹروں کو پگڑیاں پہنائی گئیں۔

پھر ملکی تقسیم پر قربانیوں کی داستان اور ملک پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد یہاں کیا ہوا وہ حالات بیان فرمائے۔ ان کے پاس وہ تمام ثبوت تھے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا اور اس ملک کا نظام اسلامی ہوگا۔

انہوں نے فرمایا کہ نظریہ پاکستان حکم الٰہی اور عدلیہ کی آزادی ہے۔

موجودہ حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج ہم جس نازک دور سے گزر رہے ہیں اس میں کسی کی عزت محفوظ نہیں نہ کسی کا مال محفوظ ہے۔ کوئی گھر سے نکلتا ہے تو اسے نہیں پتہ کہ وہ سلامت گھر آجائے گا۔ آج ملک میں مختلف طبقات بن چکے ہیں بیوروکریٹس اور اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگوں کیلئے قانون اور ہے اور متوسط طبقے کیلئے مختلف ہے ہمارا نظام تعلیم بھی طبقاتی ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ جس نظریہ کے تحت یہ ملک حاصل کیا گیا تھا آج قوم کو ایک بار پھر اس نظریہ پر متحد ہونا ہوگا۔

انہوں نے فرمایا کہ بلاسود بنکاری کا جو شعبہ شروع کیا گیا ہے یہ ہماری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ اگر عدل کو بلاتفریق فوری نافذ کر دیا جائے تو ملک میں امن قائم ہو جائے گا۔ ملک میں رائج ٹیکس کے نظام کو اگر اسلامائز کر دیا جائے اور انفرادی طور پر جمع ہونے والے زکوٰۃ عشر اور صدقات کو حکومت خود جمع کرے تو ملک میں سالانہ آمدن کا بڑا حصہ جمع ہو سکتا ہے اس کے ساتھ حکومت اپنے اخراجات میں کمی لائے اور فضول بیرونی دوروں کی بجائے یہی رقم فلاح و بہبود پر خرچ کرے۔

نفاذ اسلام کے حوالے سے انہوں نے فرمایا کہ پاکستان میں بسنے والے 18 کروڑ انسانوں میں اٹھارہ کروڑواں حصہ ہر فرد ہے اگر ہم اپنے وجود پر اسلام نافذ کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اٹھارہ کروڑویں حصہ پر اسلام نافذ ہو گیا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ اگر ہم اپنے چھ فٹ کے جسم پر اسلام نافذ کرنا چاہیں تو کوئی مشکل نہیں ہے۔ یہ وجود ہمارا اپنا ہے کم از کم اس پر تو اسلام نافذ کریں۔

جناب عبدالقدیر صاحب نے جس انداز اور جس لہجے میں بیان فرمایا میں اس کو ایک تربیتی پروگرام سمجھتا ہوں۔

یہ جلسہ ہر قسم کے جلسہ سے ہٹ کر تھا جس میں اپنا کوئی مطالبہ نہ تھا یہ ایک ایسا اجتماع تھا جو اپنی مدد آپ کے تحت تھا اس میں اصلاح احوال سے لیکر ملک میں نفاذ اسلام کیلئے شعور کو بیدار کیا گیا اس میں یہ بتایا گیا کہ ہمارا مشن کیا ہے ہم نے اپنی مختصر سی زندگی کو کیسے بسر کرنا ہے؟ آج کے اس اجتماع کی کوریج نجی ٹی وی چینلز اور قومی اور مقامی اخبارات نے بھرپور انداز میں کی۔

اسٹیج کے دائیں طرف میڈیا حضرات کی کرسیاں لگائی گئی تھیں۔

جلسہ گاہ میں کتابوں اور پمفلٹس کے سٹال بھی لگائے گئے تھے آخر میں دعا کے ساتھ تقریب کا اختتام ہوا۔

اہل شعور ، اہل نظر بن سکے تو بن
ایسے کمال کا تو بشر بن سکے تو بن
جو راہ مستقیم پر تجھ کو چلائے دوست
اس شخص کا رفیق سفر بن سکے تو بن

بقیہ اداریہ صفحہ نمبر 4 سے آگے

جہاں دعوت عام ہے ہر طالب کے لئے کہ آؤ دارالعرفان منارہ اور شیخ سلسلہ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی سے اپنے قلب کا دیا جلاؤ وہاں اپنے سمیت تمام سالکین سے عرض ہے۔

سرمایہ داران سودائے آخرت گویند
تا سرمایہ ایمان بایدت زیاں نخواہی کرد

آخرت کی تجارت کے سرمایہ داروں کا کہنا ہے کہ اگر تیرے پاس ایمان کی دولت ہے تو تجھے گھاٹے کا کوئی خطرہ نہیں۔

اس عنوان پر میں نے کوئی ۱۵، ۲۰ سال پہلے ایک کتاب پڑھی تھی جو پروفیسر غازی احمد (مرحوم)، میانی، ضلع چکوال نے اپنے قبول اسلام اور حالات زندگی پر لکھی تھی۔ اس میں تحریر تھا کہ انھیں قبول اسلام سے قبل دو مرتبہ نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تھی۔ یہ عنوان اس وقت سے میرے دل پر نقش تھا۔ جب مجھے ماہنامہ المرشد کا اپریل 2012 کا شمارہ آصف صاحب (کلر کہار سے سلسلہ کے ساتھی) سے موصول ہوا اور میں نے فہرست مضامین دیکھی تو میری نظر اس عنوان پر آکر ٹھہر گئی۔ میں نے سوچا شائد یہ مضمون پروفیسر صاحب کے بارے میں ہوگا لیکن مطالعہ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ کوئی اور کہانی ہے۔ یہ مضمون ارشد کاہلوں صاحب کا لکھا ہوا تھا جس کی دوسری قسط اگلے شمارے میں تھی۔ جب پہلی قسط پڑھی تو اگلی قسط کا تجسس پیدا ہوا اور کچھ عرصہ بعد آصف صاحب سے خود جا کر مئی کے شمارہ کی درخواست کی۔ اس طرح المرشد میں مندرجہ بالا عنوان سے مضامین کا مطالعہ جاری ہوگیا۔ پھر دوسرے مضامین بھی زیر مطالعہ آگئے۔

الحمدللہ، دل میں بچپن ہی سے بزرگان دین اور اولیائے کرام کا احترام موجود تھا لیکن بیعت کی اہمیت سے واقفیت نہ تھی، بلکہ اسے تقریباً غیر ضروری ہی سمجھتا تھا۔ حضرت جی کا نام اگرچہ میں نے چند سال قبل سنا تھا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضرت جی روایتی گدی نشین پیروں سے کتنے مختلف ہیں۔ المرشد کے مطالعہ سے حقائق اور تصوف کی اہمیت کا کچھ علم ہوا بلکہ یہ واضح ہوا کہ تصوف دراصل تزکیہ اور اخلاص کا ہی نام ہے۔ اور اسلامی تصوف شریعت کا مکمل طور پر پابند ہے۔

الحمدللہ، بچپن سے دل میں محبت رسول ﷺ کی چنگاری موجود تھی۔ بچپن میں جب بھی حضور اکرم ﷺ کے سفر طائف کا واقعہ پڑھتا تھا تو جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہو جاتی تھی اور میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ دل میں خواہش پیدا ہوتی کہ کاش میں بھی اس سفر میں حضورؐ کے ساتھ ہوتا اور ان کے ساتھ طائف والوں کے پتھر کھاتا۔ اور ان کی حفاظت میں ان کے خادم کے ہمراہ حصہ لیتا۔

اب میں آپ کو اپنی زندگی کا ایک اور ورق پڑھنے کے لئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ۱۹۷۸ میں زرعی یونیورسٹی میں داخلہ ہوا تو مختلف دینی جماعتوں سے تعلق رہا، لیکن تبلیغی جماعت سے تعلق زیادہ رہا کیونکہ ان سے پہلے ہی یہ تعلق قائم ہو چکا تھا۔ اور میرے ہوسٹل کے ساتھی بھی اس سے تعلق رکھتے تھے۔ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران ایک مرتبہ ۲۰ دن کے لئے جماعت میں گیا اور ۳، ۳ دن تو کئی بار اللہ کے رستے میں لگے۔ ۱۹۸۵ میں سرکاری ملازمت شروع ہوئی۔ ۱۹۹۱ میں سکالرشپ پر امریکہ میں تعلیم کے لئے جانے کا موقع ملا۔ امریکہ میں جماعت کے ساتھ ایک مرتبہ ۳۵ دن لگائے۔ اس سفر کے دوران ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ فاصلے پر اس امت کی دو سب سے مقدس ہستیاں (جناب رسول اللہؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ) کھڑی ہیں اور میں انھیں دور سے دیکھ رہا ہوں۔ اس خواب کے بارے میں مجھے کئی بار خیال آیا کہ قریب سے زیارت کیوں نہیں ہوئی، شاید میری محبت میں کمی ہے یا ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے۔

بقول علامہ اقبال: ؎

نالہ ہے بلبل شوریدہ تیرا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

جولائی ۲۰۱۲ کے المرشد میں جرمنی سے افضال حسین راجہ کا مضمون من الظلمات الی النور شامل تھا۔ اس مضمون کو پڑھتے ہوئے میں اس میں اسی طرح محو ہوگیا جس طرح راجہ صاحب نے ذکر کیا تھا کہ جرمنی میں ایک تبلیغی سفر کے دوران رات کو کنز الطالبین پڑھتے وقت اس کتاب نے انھیں پکڑ لیا تھا۔ اس مضمون کو پڑھتے ہوئے جب میں روحانی بیعت پر پہنچا تو میری حالت غیر ہو چکی تھی، دل بے قابو اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ شائد مجھے میرے خواب کی تعبیر ملنے کا وقت آ گیا ہے۔ اور میں نے حضرت جی سے ملنے کا ارادہ بلکہ فیصلہ کر لیا۔ 11 اکتوبر 2012 کو آصف صاحب کو فون کیا کہ میں حضرت جی سے ملاقات کے لئے آنا چاہتا ہوں تو انھوں نے کہا کہ کل جمعہ ہے اور جمعہ کو حضرت جی تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک ملاقات کرتے ہیں۔ آپ اس وقت تک پہنچ جائیں تو ملاقات ہو جائے گی۔ میں شاہ پور ڈیم فتح جنگ سے، جہاں میری سرکاری رہائش تھی، صبح روانہ ہوا لیکن دارالعرفان میں تقریباً ۱۲:۳۰ بجے پہنچا۔ ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ نماز جمعہ سے پہلے حضرت جی کا بیان سنا جس میں دل میں موجود کئی سوالات کے جواب مل گئے۔ نماز کے بعد آصف صاحب نے پرنسپل صقارہ کالج، محمد خان صاحب سے ملاقات کرائی اور تعارف کرایا۔ ان کی پہلی بات میرے لئے حیران کن تھی جب انھوں نے فرمایا کہ آپ کا مسئلہ ایسا ہے کہ آپ کو رات یہاں قیام کرنا پڑے گا۔ کیا آپ ٹھہر سکتے ہیں؟ میں نے اپنا کوئی مسئلہ انھیں نہیں بتایا تھا۔ میں اسی روز واپس گھر جانے کے ارادے سے آیا تھا لیکن ان کی اس بات نے مجھے شش و پنج اور حیرت میں ڈال دیا۔ پھر سوچا کہ آ ہی گیا ہوں تو خالی ہاتھ جانے کا کیا فائدہ؟ لہٰذا میں نے ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا۔ انھوں نے مجھے مسجد میں آرام کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ رات کو تفصیلی بات ہوگی اور انشاء اللہ کل صبح حضرت جی سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔

اس سے پہلے ایک ملاقات میں آصف صاحب کے ہمراہ ذکر خفی پاس انفاس کر چکا تھا۔ مسجد میں رات اور صبح کے ذکر میں شمولیت ہوئی۔

صبح جب صقارہ کالج کی اسمبلی میں ایک بچے نے حضرت جی کی نعت پڑھی تو دل اور آنکھیں ایک بار پھر بے قابو ہو گئیں۔۔ تیرے حریم ناز کی کس کو خبر کروں۔ مسجد سے نکل کر کالج کی طرف نعت سننے کے لئے دوڑا اور کالج کی دیوار سے لگ کر رواں آنسوؤں کے ساتھ نعت سننا شروع کر دی۔ رات کو عشاء کے بعد ماسٹر محمد خان صاحب سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے گزشتہ حالات زندگی اور خراب حالات کی وجہ پوچھی تو اور بچپن کے خواب بیان کرنے کو کہا۔ میں نے حالات اور خواب بیان کئے لیکن امریکہ والا خواب نہ سنایا کیونکہ وہاں کچھ سلسلے کے اور ساتھی بھی موجود تھے جن پر میں یہ سعادت والا خواب ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انھوں نے مجھے تسلی دی اور حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ حالات سے گھبرانا نہیں ہے۔ ان میں اللہ کی طرف سے بہتری ہے۔

صبح مقررہ وقت پر میں ماسٹر صاحب کے دفتر پہنچ گیا۔ ماسٹر صاحب نے میرا تعارف اپنی ڈائری میں نوٹ کیا۔ حضرت جی کے مہمان خانے میں جسے دائرہ کہا جاتا ہے، پہنچے۔ ماسٹر صاحب نے دربان کو بتایا کہ یہ بیعت ہونے کے لئے آئے ہیں تو دربان نے معذرت کر دی کہ آج بیعت کا دن نہیں ہے۔ حضرت جی نے ہفتہ کے روز بیعت سے منع کر رکھا ہے۔ میں عرض نہیں کر سکتا۔ اندر داخل ہو کر ماسٹر صاحب نے سلام عرض کیا اور نہایت مختصر تعارف کرایا اور صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بیعت کے بارے میں درخواست کی تو حضرت جی نے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میرے ہاتھ میں کپڑا پکڑایا اور بیعت فرما لیا۔ بیعت سے پہلے میں جان چکا تھا کہ حضرت جی دنیاوی اغراض سے ملاقاتیں اور تعویذ دینا پسند نہیں کرتے۔ میں صرف اپنے لئے دعا کرانا چاہتا تھا لیکن دل میں خوف جاگزیں تھا کہ اگر دعا کے لئے عرض کروں تو کہیں خفا نہ ہوں۔ میں نے ڈرتے ڈرتے دعا کی درخواست کی اور حضرت جی نے دعا دے دی۔ دربان کی باتوں کے بعد حضرت جی نے اتنی مہربانی فرمائی تو مجھے نہایت خوشی محسوس ہوئی۔ ماسٹر صاحب نے بیعت کی مبارک باد پیش کی۔ اس کے بعد میرا رابطہ ضلع اٹک کے نائب

امیر خالد حیات صاحب اور راولپنڈی ڈویژن کے امیر میجر غلام قادری صاحب سے ہوگیا اور انھوں نے گھر پر ذکر کرانا شروع کر دیا۔

میری بیوی کئی سال سے ذہنی مریضہ تھی۔ اسے دعوت دی تو وہ بھی بیعت کے لئے تیار ہوگئی۔ ماہانہ اجتماع پر دو ماہ بعد وہ بھی بیعت ہوگئی اور اسے وہاں جا کر بہت سکون ملا۔ میٹرک کے بعد بیٹے کو صقارہ کالج میں داخل کرانے کی تجویز اس کی امی نے دی جبکہ اس سے پہلے وہ بیٹے کو گھر سے دور تعلیم کے لئے بھیجنے کی روادار نہ تھی۔ گھریلو ماحول بہتر ہوا اور گھر میں سکون آگیا۔ گھر میں برکتیں اور رحمتیں محسوس ہونا شروع ہوگئیں۔ اور پریشانیاں ختم ہوگئیں۔ اپنے دنیاوی مسائل اس نعمت کے مقابلہ میں بے وقعت نظر آنا شروع ہوگئے۔ علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں جو دعا مانگی تھی، وہ میرے حق میں قبول ہوچکی تھی۔

تیری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
میری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے

ہمارے موجودہ سرکاری مکان میں ہر سال کئی سانپ نظر آیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ مکان جنگل میں واقع ہونے کی وجہ سے یہاں سانپ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ گھر میں ذکر شروع ہونے اور سلسلہ عالیہ کا پرچم لہرانے کے بعد الحمدللہ گھر میں کوئی سانپ نظر نہیں آیا۔

الحمدللہ، ماہانہ اجتماع اور حلقہ ذکر میں تقریباً باقاعدگی سے حاضری ہو رہی ہے۔ گزشتہ رمضان کے آخر میں اعتکاف میں شمولیت کا بھی موقع ملا۔ جس میں اندھیروں سے روشنی کے کئی مسافروں سے ملاقات اور تعارف ہوا، جن میں جرمنی سے آئے ہوئے افضال حسین راجہ بھی شامل تھے، جن کا مضمون میرے سلسلہ عالیہ میں شامل ہونے کا سبب بنا۔

عقائد و نظریات کا انتشار مکمل طور پر ختم ہوچکا ہے۔ اور زندگی میں سکون اور اطمینان آچکا ہے۔ دوستوں احباب اور رشتہ داروں کو بھی دعوت کا کام جاری ہے۔ بیٹا اور والد صاحب بھی بیعت ہو چکے ہیں۔ میرا سبق ابھی مراقبات ثلاثہ پر ہے۔ تمام قارئین اور ساتھیوں سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ کریم نیک لوگوں اور خلوص کے ساتھ سلسلہ عالیہ کے ساتھ تعلق قائم رکھے۔ شیخ المکرم مدظلہ العالی کی زیادہ سے زیادہ محبت اور توجہ نصیب ہو، مرنے سے قبل روحانی بیعت کی سعادت نصیب ہو جائے اور اللہ کریم سلسلہ عالیہ کی خدمت کرنے اور وطن عزیز میں نفاذ اسلام کی بہاریں دیکھنا نصیب فرمائے۔ آمین

☆☆☆

طب

لیموں

حکیم ملک عبدالساجد اعوان

لیموں کا مزاج سرد خشک ہے اور قدرتی طور پر ایک دافع عفونت پھل ہے اس لیے جلد کی بیماری کو بھی دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یہ نہ صرف جلد کی صفائی و خوبصورتی اور اس پر پڑی جھریوں کو ٹھیک کرتا ہے بلکہ جلد کو تر و تازہ بھی رکھتا ہے۔

لیموں کا رس دانت کے درد اور مسوڑھوں سے آنے والے خون کو روکتا ہے لیموں کے چند قطرے دانت پر لگائیں فوراً اثر ہوگا لیموں کا رس منہ کی بدبو کو ختم کرتا ہے ہضم کو قوی کرتا ہے، دل کو طاقت بخشتا ہے، جی متلانے کے لیے مفید ہے۔ حمل کے دنوں میں جب جی متلائے تو وقفہ وقفہ سے لیموں چوسنے سے طبیعت بہتر ہو جاتی ہے لیموں میں پوٹاشیم کی مقدار زیادہ ہونے کی وجہ سے ہائی بلڈ پریشر اور سر کے چکر بہتر ہو جاتے ہیں بلکہ اس کے استعمال سے ذہنی دباؤ کم ہوتا ہے لیموں نیم گرم پانی میں ڈال کر غرارے کرنے سے حلق کی تکلیف میں افاقہ ہوتا ہے۔ کالی مرچ اور نمک کے ساتھ لیموں کا رس شامل کر کے وقفہ وقفہ سے استعمال کر کے ہیضہ کی تکلیف کو فائدہ دیتا ہے۔ گرمی کی وجہ سے سر چکراتا ہو تو اس کے سونگھنے سے، اور اندرونی طور پر اس کا شربت استعمال کرنے سے سر کے چکر ٹھیک ہو جاتے ہیں اور اگر کسی کو نکسیر پھوٹے، تازہ لیموں کے رس کے چند قطرے ناک میں ٹپکائیں تو نکسیر فوراً بند ہو جاتی ہے بچھو، بھڑ کے کاٹنے سے لیموں کا رس فوراً متاثر جگہ پر ٹپکائیں اس کا زہریلا اثر ختم ہو جائے گا۔

ورم طحال :۔
لیموں کا رس اور پیاز کا پانی 20ml ملا کے 14 دن روزانہ استعمال کرنے سے تلی کا ورم تحلیل ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ غذا زود ہضم استعمال کرنی چاہیے۔

تبخیر معدہ : اجوائن دیسی حسب ضرورت صاف کر کے کسی کورے برتن میں ڈال کر لیموں کے رس سے تر کر لے اور اسے سائے میں رکھیں دن میں ایک دو دفعہ ہلا دیں۔ کچھ دنوں میں اجوائن میں لیموں کا رس خشک ہو جائے گا اجوائن کو نکال کے کسی خشک جار میں محفوظ رکھیں جب بھی کبھی گیس، بدہضمی، پیٹ درد، جی متلائے۔ ایک چھوٹا چمچ پانی کے ساتھ استعمال کریں فوراً افاقہ ہوگا۔

(جاری ہے)

وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۝۲۲

ترجمہ: اور بالاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کردیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے

اکرم التراجم

قدرت اللہ کمپنی کے تیار کردہ دیدہ زیب قرآن پاک

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کا تحریر کردہ آسان اور عام فہم زبان میں اردو ترجمہ

اب آپ ہماری ویب سائیٹ www.naqashbandiaowasia.com پر بھی پڑھ سکتے ہیں

شیخ المکرم کے تازہ ترین بیانات ہر جمعہ کی شام ہماری ویب سائیٹ www.oursheikh.org پر سن سکتے ہیں

منجانب: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان ایڈمنسٹریٹر دار العرفان منارہ 0543-562200

توسیع مسجد دار العرفان منارہ

آج سے 32 سال قبل جس مسجد کا سنگ بنیاد حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا آج وہ پوری دنیا کیلئے تصوف کا مرکز بن چکی ہے، یہ وہی قافلہ ہے جس کے میر کارواں نے نہایت مجاہدے سے شروع کیا اور یہ رواں دواں ہے توسیع کا سنگ بنیاد

حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے

جمعۃ المبارک بمطابق 25 مئی 2012ء کو رکھا

مسجد دار العرفان کے توسیعی منصوبے پر کام جاری ہے اور یہ تکمیل کے مراحل میں ہے اس کی تعمیر میں دل کھول کر حصہ لیں اور آخرت کے لئے زادِ راہ تیار کریں

مسجد کے ہال میں بیک وقت 4500 نمازیوں کی گنجائش موجود ہوگی۔

اگر کوئی ساتھی اس مسجد میں اپنے ایک مصلّٰی کا ہدیہ (جو تقریباً 15 ہزار روپے پاکستانی) اندازہ کیا گیا ہے جمع کروانا چاہے تو دار العرفان مرکز یا ضلعی امراء سے رابطہ کر سکتا ہے

منجانب: **مرکزی دفتر دار العرفان منارہ تحصیل کلر کہار ضلع چکوال**

willing).

Anyways what is meant by superorogatory prayers or nafl? These are neither obligatory, nor sunnah, then why does one offer them? It is to remain attentive towards Allah and to attain His Mercy. A person whose qalb or subtle heart is not doing zikr but he is sincerely and attentatively worshipping Allah, then he is receiving Allah's Mercy. However, a person whose qalb is illuminated with Allah's Zikr when he is attentive towards Allah, engrossed in meditation, standing at a spiritual station, totally concentrating on Allah, then obviously his attention on Allah would be much stronger than the one whose qalb is not illuminated.

A person whose qalb has not been illuminated and he is offering superorogatoryprayers, compared to a person whose qalb is illuminated and he is meditating, you can imagine the difference between the level of their attention towards Allah. So higher the level of attention, greater is the reward awarded. This is what has been said by Hazrat (RUA).

Q.No 7: After the passing away of Hazrat Allah Yar Khan (RUA) some of his disciples refused to take oath of allegiance (bay't) at your hands. They later made their own Order and became the Shaikh. They use Hazrat Allah Yar Khan (RUA)'s name and of the exalted Owaisiah Order and give lessons to people.

Do the lessons, which they conduct, have any standing? Or are they simply deceiving people?

Ans:I have already mentioned that Quran says that whosoever breaches his pledge (bay't), destroys himself i.e. the pledge (bay't) made with the Prophet (SAWS).

Nowadays it is customary to pledge allegiance (bay't) with someone just as a routine or to say 'by the way'. Neither the one taking the pledge has a clue as to what are his responsibilities, nor does the one committing the allegiance knows the meaning of this relationship. So people get associated to saints (peer) just in order to fill in a blank and have a peer, their case is different. In real spiritual Orders where people took bay't and attained spiritual states, when such a person breaches his bay't or pledge then he is termed as apostate of Tareeqah.

Aperson who embraces Islam and then becomes an apostate, he is called apostate(murtid) of Shariah and he is liable to death sentence. It is the duty of the Islamic government to kill him.

Similary a person who makes an oath of allegiance (bay't) with a Shaikh (who is also worthly of bay't, and this person can benefit from him, and other people are also benefitting from the Shaikh.If this person violates his oath or breacheh the bayt, why does be do this? It is either due to the feeling of self esteem and conceit which develops in his heart whereby he himself wants to become a Shaikh. Or he falls prey to greed and aspires to take tributes from people. So how can such a person possess any barkaat or blessings? As for the lessons everybody knows the phrases, the meditations and their meanings..........

(To be Continued)

go to Jannah, no matter what they do in life. The Prophet (SAWS) was asked, no matter what they did? A person can indulge in disbelief, polytheism; one can commit a crime, theft or immorality. The Prophet (SAWS) repeated 'No matter what they do.'

The scholars of Hadith discuss the question that if a Companion of Badr, (God forbid) indulged in polytheism would he be still boundto go to Jannah? Then they explain and say that all those who participated in the Battle of Badr are to enter Jannah denotes that from there onwards Allah will only let them act in a manner that befits the residents of Jannah. They will not indulge in any activity which is typical to those who are to end up in Hell.

In other words, when the Prophet (SAWS) gave them the glad tidings of being resident of Jannah because of their action, Allah gave them the honour and capacity to act only in the manner that befits the residents of Jannah. Similarly, a person who is saved from fire of Hell because of his physical contact with the Prophet (SAWS), means that his past sins are forgiven and in the future he will not repeat them. Allah will grant him the capacity to do only good deeds.

Similar is the case of spiritual allegiance (Roohani Bay't), however being physically present in the same era is different than being in different eras. In the Prophet (SAWS)'s era when he (SAWS) was physically present in this world anyone who met him (SAWS) as a believer became a Companion (RAU). Today if someone is blessed with spiritual allegiance or Fana fir Rasool, he cannot become a Companion because the era is different.

The people who are blessed with spiritual allegiance are undoubtedly extremely blessed, and this is an honour, the magnificence of which can neither be measured nor weighed. However it is the responsibility of those who enjoy this honour, to safeguard it. If they manage to honour their pledge, it will suffice for their salvation. On the contrary, if someone breaks his pledge with the Prophet (SAWS) then his fate will be decided by Allah, who has stated in Quran that whosoever breaks his pledge breaks himself to pieces and is destroyed. And whosoever honours his pledge will be granted a magnificent reward by Allah. (Al Fatah - 10)

This verse is about the pledge or bay't made with Prophet (SAWS). Allah will be very kind to such people and HIS kindness will be beyond their imagination. HE will reward them immensely,much more than they can even imagine.

Q.No 6: Hazrat Allah Yar Khan (R.U.A) had concluded that meditations (muraqbat)weresuperiorto superorogatory prayer (nafl), but I could not find any legal pretext to support this opinion in Dalael Salook. Kindly give some pretexts over this.

Ans: In my opinion, Dalael Salook is not only based on sayings but also offer pretexts; it's very name suggests that it has evidence or pretexts. Anything which was not elaborated upon,has now been explained at length and will soon be printed (Allah

Translated Questions and Answers of Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

THE EXALTED ORDER AND THE SHAIKH'S STATUS

From Previous Month

Q.No. 5 Hadith says that 'Anything that touches the Prophet (SAWS) 's noble personage cannot be affected by fire. Does this apply to those who are blessed with spiritual allegiance also? Will they be protected from the fire of Hell too?

Ans:As far as Spiritual allegiance (Roohani Bay't), or seeing the Prophet (SAWS) in a dream, or spiritual presence in His (SAWS) Court is concerned, it has been stated by righteous scholars and by scholars of interpretation of dreams that a person who is blessed with seeing the Prophet (SAWS) in his or her dreams is a testimony to the fact that he or she will die as a believer and attain salvation. Let alone the one who is blessed with the station of 'Fana fir Rasool'. The Hadith which you have quoted refers to the time when the Prophet (SAWS) was physically present in this world. Anything or anyone which came in physical contact with the Prophet (SAWS) ; if a believer shook hands with him (SAWS) offering salutations, or any believer whose body came in contact with the Prophet (SAWS) would never be burnt in fire, of Hell.

Once the Prophet (SAWS) was riding along with Hazrat Ameer Muawiya (R.A.U) who was sitting behind him (SAWS). Hazrat Ameer Muawiya (R.A.U) was a robust man so he was trying to restrain himself by holding his breath and keeping his distance so as not to bother the Prophet(SAWS).The Prophet (SAWS) pulled him towards Himself and said do not restrain yourself as anything which touches my body is saved from the fire of Hell. (In other words, the fire becomes prohibited for him).

This Hadith endorses the fact that when the Prophet (SAWS) was physically present in this world, all those believers who were blessed with this honour of touching him (SAWS) were saved from the fire of Hell.

As far as spiritual allegiance (Roohani Bay't) is concerned it has its' own merits and is certainly a very exalted status.

"This is an honour which is envied by the emperors."

This is the wealth which worldly emperors and conquerors cannot possess. This is purely given by Allah's Mercy to HIS slaves. A person who is blessed with spiritual allegiance (Roohani Bay't) is duty bound to be loyal.

There is another Hadith regarding the Companions (R.A.U) who fought at Badr; the Prophet (SAWS) said that all those who fought at Badr are bound to

the honour for this belongs to Hafiz Ghulam Qadri. When Hafiz Ghulam Jilani and Ghulam Yazdani, two brothers of Hafiz Ghulam Qadri entered Hazrat Ji rua's Zikr circle in Chakwal, they also invited Qadri Sahib to join in their Zikr. Qadri Sahib would sometimes attend the Zikr assembly but didn't feel too much inclined towards it. However what impressed him was the fact that Ghulam Yazdani after joining Hazrat Ji rua's Zikr circle would spend a part of the night in Tahajjad and Zikr Allah, despite the fatigue from working on his lands all day. This new turn in his brother's life provided Qadri Sahib the incentive to go and present himself to Hazrat Ji rua.

When Hafiz Ghulam Qadri attended Hazrat Ji rua's company in Chakwal, he found Muhammad Amin, a Sathi from Bochal, and the famous New-Muslim professor Ghazi Ahmed also present there. A Subedar of his unit, Muhammad Sharif, also came to Hazrat Ji rua about a problem affecting his wife. Muhammad Amin perceived through Kashf that a witch was the cause of his wife's worries. When Hazrat Ji rua was informed of this fact, he stated, 'I am not an Amil, go and consult an Amil.'

When the Zikr commenced, Subedar Sharif was not invited to join, and when it concluded he complained about his exclusion. Hazrat Ji rua said that he had not come for the purpose of Zikr. However, on his constant insistence, Hazrat Ji rua placed his hand on his chest and identified the Lata'if and after explaining the method of Zikr, added, 'If you continue doing Zikr, it will be for your own benefit, otherwise, it will not cause me any loss.'

After three days, Qadri Sahib met Subedar Sharif in the unit and he was informed that on the first day during Zikr the witch revealed herself, and therefore the Zikr had to be abandoned. The Zikr was again resumed at the time of Sehri and although the room was kept lit, she reappeared. Notwithstanding extreme anxiety, the Zikr was not interrupted this time and after a while she disappeared forever and they got permanent relief. Subedar Sharif's condition after just three days of Zikr was that he could discern a strong light on his Qalb during Zikr, in which he could see the word 'Allah' written in bold letters.

Observing Subedar Sharif's circumstances, Qadri Sahib felt convinced deep within himself that there was definitely something effective about Zikr. Now, he too started it, and it was performed at the home of Subedar Sharif. After the inclusion of some more Ahbab, this first Circle of Zikr within the Army got relocated to the 502 Workshop Masjid, in August 1963.

After a while, Subedar Sharif refused to pray behind the Maulvi of the Masjid, because the Maulvi's face assumed the image of a monkey whenever Subedar Sharif thought about him. This was a strange issue for the new entrants in Sulook. When the matter was referred to Hazrat Ji rua, he explained to them (the phenomenon of) 'Ruyat-e Ashkal' (observation of human Rooh in its real form).

(To be Continued)

gathering. One Sathi asked, "Was there any habitation?' Hazrat Ji rua replied, 'Yes there was'. There was another long pause, then Hazrat Ji rua asked, "Did you come after Musa as? The Sathi who was participating with Hazrat Ji rua in this spiritual dialogue answered 'Before'.....A very long pause! Hazrat Ji rua repeated his question again, "But you came after Hazrat Ibrahim as! It has been confirmed." Hazrat Ji rua kept silent for some time, then said, "Now, I will show you, follow me, stay close to me, now see this ..the book is kept in front of him. It is either Hebrew or Syraic, cannot be read." Hazrat Ji rua's voice became very low, after remaining silent he said, "He is from Bani Isra'il."

In a special assembly for the Ahbab, he explained about the matters relating to existence Abdal progress to become Qutb. There are two types of Qutb. The duties of one branch pertain to existence and sustenance of the world, while the duties of other branch pertain to matters of Shari'ah, and the highest Qutb from this branch is Qutb-e Irshad. Moin uddin Chishti rau was Qutb-e Irshad, Qutubuddin Bakhtair Kaki rau was his successor and died in Delhi ...Allah Allah! He is a Qutb-e Irshad. Imam Rabbani Hazrat Mujaddid Alif Thani rau Sirhindi, due to whom today we are Muslims...Syed Ali Hijwairi rau popularly known as Data Ganj Bakhsh are both Qutb-e Irshad. These four personalities came to Hindustan and did great service in the cause of Islam. Qutb-e Irshad is a very great personality in religious matters. On the other side there is Qutb-e Abdal. He is the leader of Abdals but under a Qutb-e Madaar. Near Qiyamah (the end of the world) they all will cease to exist. This is the belief for the Jama'at of the Sufis. Sufis...They are no just ordinary people, they are great scholars, great legists (religious supervisors) and revivalists, great saints!...it is easy to utter the word Sufi!

Qutb-e Madaar is a pillar of the world, when he no longer exists the world will come to an end. There will be none to say Allah Allah. Everything will finish. After progressing, a Qutb becomes Ghauth, who progresses to become a Qayyoom, who progresses to become a Fard. This is a very high office. A Fard progresses to become a Qutb-e Wahdat. Qutb-e Wahdat progresses to become a Siddiq, but there are very few of them. Ahead of this is an office of Qurb-e Abdiyyat which is Sidaqat and Abdiyyat together, and has not been conferred by Allah swt on anyone except Siddiq Akbar rau (Hazrat Abu Bakr Siddiq rau)."

In these assemblies due to Hazrat Ji rua's Tawajjuh the Veils of Barzakh were lifted and, not one or two, but several Ahbab would get to see these visions, but whoever was present would not remain deprived of the feelings and blessings .

May Allah reward you; that you opened my eyes,
And acquainted me with the True Beloved.

Chapter 21
The Spread of the Silsilah in the Armed Forces

The Silsilah was introduced into the Pakistan Armed Forces in 1963 and

Hayat-e-Javidan Chapter 20 & 21

A Life Eternal (Translation)

From Previous Month

I saw a very great personality, in Kashmir. He came after Pir Sahib. He is in the same Circle of Sulook as Pir Sahib, only he is at the beginning and Pir Sahib is at the end. There is nobody of his status in Hindustan. His name is Nazeer Ali Shah rua.

A Sathi asked where his Mazaar was. Hazrat Ji rua replied: It cannot be located.

At another assembly Hazrat Ji rua spoke about the unnamed Ghauth of Iraq in these words:

I was shown a Ghauth in Iraq. We were astounded; a man of this stature is either Imam Hassan Basri rua or this man. No one is of this status, neither Pir Sahib nor anyone else. Pir Sahib's personality is definitely very great, but he is higher in terms of Stations.

Now concentrate on my heart, come along with me. He has stood up. What a great theologian, great scholar, great Alim. He has a large head, is young. His stations are up to Hajjat-e Uloohiyyat I met him in the car while passing through Kalat State. Ask him. He came a 100 years before Pir Sahib. He remained unknown, he is still unknown.

We met suddenly in the car in Kalat State...we were travelling in the car. I understood he is in Iraq. I made Mukhtar Sahib to speak to him but he said you are a child. You don't have the understanding. Ustad Sahib should speak with me. You can't understand'.

At this occasion Hafiz Abdur Razzaq Sahib said, 'Subhan Allah! He that understands, only he should speak.'

Hazrat Ji rua continued the conversation,

I said, 'please speak'. He said, the fact is now (please take me) forward. I said: But how much? He said 'the portion (of blessings) is commensurate with (one's) status. Please look at me also'. Page 351

After this HazratJ i rua fell silent. After a pause he said, 'The fact is that Allah swt created amazing pearls and diamonds, some very strange men...pearls, diamonds and rubies!' Hazrat Ji rua's voice cracked as he said this. For a long while he remained silent and then said, 'Concentrate on my heart. Up to China there are only mountains, we have reached there...(pause)...he is sitting...(long pause)...cannot understand his language. It is Hebrew or Syriac or one such similar language. He is from Bani Isra'il...(long pause)...askin which age did he come here. O Prophet of Allah! In which period did you come here? This place is uninhabited, how did you get here? A long silence descended on the

Rajab ul Marajab 1435h

May 2014

ماہنامہ المرشد

لَيْسَ يَتَحَسَّرُ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلاَّ عَلٰى سَاعَةٍ مَرَّتْ
بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهَا (ترمذی)

" The people who enter Jannah will have no remorse except for those moments in time which remained without Allah's rememberence"
(Tirmizi)

Salat wich we consider a burdan these days, is a grant, a gift which has been bestowed by Allah (SWT) to His Prophet (SAWS) on His (SAWS) "Miraj" (ascention to heavens and to Him)

Al-Sheikh Mualana
Ameer Muhammad Akram Awan MZA

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWNSHIP LAHORE

Quba Masjid - The first mosque built in the history of Islam!